حسینی مشن کا چوتھا تحفہ
۲ جون سنہ ۶۰ء
احادیث نادری
مؤلف
علی جواد بسونوی
ملنے کا پتہ
انکسار حسین بخشی بازار مکان نمبر ۲۷
الہ آباد ۳
maablib.com

حرفِ اوّل

راہوارِ زندگی، دنیا کے نشیب و فراز کی زیادہ منزلیں طے کر چکا۔ "پیمانہ بھر چکا ہے چھلکنے کی دیر ہے"! ماضی کے گناہ و عصیاں کی پر پیچ اور گندی گلیاں یاد آتی ہیں، تو دل لرز اٹھتا ہے۔ کوئی گھڑی ایسی نہیں گذرتی کہ فرشتۂ عذاب کا خوف نہ ستاتا ہو۔ اسی ڈر سے ایک رات کروٹیں بدل رہا تھا۔ نیند نہ آتی تھی کہ یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

سوچا کہ زندگی، چراغِ سحری ہے، سانس بند اور حیات ختم۔ چل چلاؤ کا وقت ہے۔ کوئی متبرک کتاب ترجمہ کر کے شائع کی جائے تو شاید انجام بخیر اور تلافی مافات ہو جائے۔ بہت سی کتابیں "تصویرِ خیالی" کی طرح ذہن میں آئیں، اور غائب ہو گئیں۔ آخر قرعۂ فال "اصح الکتب بعد کتاب باری صحیح بخاری" کے نام نکلا۔

صبح کو یادِ الٰہی سے فراغت کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ المباری سے "تجرید بخاری" نکالی۔ اس میں "صحیح بخاری" کی منتخب حدیثیں ہیں۔ راویوں کے جم غفیر کو چھانٹ کر صرف اسی راوی پر اکتفا کی ہے، جس نے بلا واسطہ، رسول اللہ سے حدیث سنی ہے۔ اس کے پڑھنے سے دماغ بار محسوس نہیں کرتا۔ اسی لئے علماء اور محدثین سے سندِ قبول و پسند حاصل کر چکی ہے،

اسکی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، عراق اور عرب کے اساتذۂ حدیث نے درسِ نظامی میں داخل کر لیا ہے۔ اور ان ممالک کے اکثر عربی مدارس میں جامع و بالغ ہونے کے لحاظ سے، بجائے "صحیح بخاری" کے "تجرید بخاری"

(حیوٰۃ الحیوان ج ا صـ۱۰۷ مطبوعہ مصر)

"عکرمہ غلام ابن عباس" دونوں کتابوں میں اس کی بیان کردہ حدیثیں ہیں۔ خارجی مذہب رکھتا تھا (تہذیب ج ۷، صـ۲۶۷)

"سعید بن مسیب" نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔ "علی بن عبداللہ بن عباس" کہا کر یہ خبیث عکرمہ، میرے باپ کی طرف جھوٹی حدیثیں منسوب کرتا ہے (میزان الاعتدال ج ا صـ۲۰۸ مطبوعہ مصر)

"مصعب بن زبیر" کا بیان ہے کہ عکرمہ، خارجی تھا۔ حاکم مدینہ نے طلب کیا تو "داؤد بن حسین" کے پاس پناہ لی، اور وہیں مرگیا (صـ۲۰۹)

"عمرو بن سعد" ان دونوں کتابوں کے علاوہ "سنن نسائی" میں بھی اس کی روایتیں ہیں۔ کربلا میں افواج یزید کا سپہ سالار تھا۔ روز عاشور، پہلا تیر اسی نے امام حسینؑ کی طرف چلایا تھا۔

"مروان بن حکم" پورے حالات "دشمنان اہلبیتؑ" میں ملاحظہ ہوں۔ یہ بطور نمونہ پیش کئے گئے، ورنہ ایسے ہی راویوں سے کتاب بھری ہوئی ہے۔

ان جیسے راویوں کی وجہ سے "صحاح ستہ" خصوصاً "صحیح بخاری" کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے، اور عظمت کے لحاظ سے وزن نہیں رہ جاتا۔ تعجب ہے کہ علما دونوں نے اس سیاہ نشان کی طرف توجہ نہ کی، اور "بعد کتاب باری" کی مہر ثبت کردی۔

حیرت بالائے حیرت ہے کہ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ یا دیگر ائمہ معصومین علیہم السلام سے ایک حدیث بھی نہ لی، حالانکہ ان بزرگوں کے علوم کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اور علمی مشکلات، حل کرنے کے لئے، انھیں کے قدم چومیں سائی کی جاتی تھی۔

علامہ عینی شاہ نظامی حیدر آبادی، خلیفہ حضرت خواجہ حسن نظامی مرحوم فرماتے ہیں۔ "یہ کسے بغیر رہا نہیں جاتا کہ جامع بخاری، عکرمہ جیسے جھوٹے اور

کا درس دیا جاتا ہے۔

یوں تو باعتبار صحت، چھ کتابیں صحیح مانی جاتی ہیں۔ (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داؤد (۵) جامع ترمذی۔ یہ متفق علیہ ہیں۔ چھٹی میں اختلاف ہے۔ "سنن ابن ماجہ" یا "مسند دارمی" یا "موطا"۔ ان چھ کتابوں کا مجموعی نام "صحاح ستہ" ہے۔ اہلسنت والجماعت کے احادیث کا دارومدار یہی چھ کتابیں ہیں۔

سب سے زیادہ قابل وثوق "بخاری" ہے۔ اس کے بعد "صحیح مسلم"۔ اسی لئے ان کے مجموعہ کو "صحیحین" کہا جاتا ہے۔

یہ امر انتہائی لائق افسوس ہے کہ "صحیح بخاری" میں ایسے راویوں سے روایت لی گئی ہے، جن کے حالات وسوانح حیات، اتنے گندے اور گھناونے ہیں کہ شرم سے انسانیت پانی پانی ہوجاتی ہے۔ پھر دوسری پانچ کتابوں کا کیا معیار، رہ جاتا ہے۔ جبکہ ان کتابوں کے چشمۂ فیض، یہی "راویان منقبان" ہیں۔

"اشعث بن قیس"[۱] ہی کو لیجئے۔ اسلام لانے کے بعد، مرتد ہوگئے تھے۔ حضرت علیؑ کے جانی دشمن تھے۔ آپ کے شہید کرنے میں ان کی بھی سازش تھی۔ جنگ صفین میں گروہ خوارج کے سرغنہ یہی تھے۔ گانے بجانے کے دلچسپ مشغلہ سے بھی دل بہلا لیتے تھے۔

"بسر بن ارطاۃ" صحابی رسولؐ تھے، لیکن عداوت اہلبیتؑ میں امتیازی درجہ حاصل تھا۔ برسر منبر حضرت علیؑ پر تبرا کہتے تھے۔ صرف شیعیت کے جرم میں جیس ہزار شیعیان علیؑ کو تہ تیغ کردیا۔ رسول خداؐ کے چچازاد بھائی حضرت عبیداللہ بن عباسؓ کے دو کم سن بچوں کو شہید کر ڈالا جس کے صدمہ سے بچوں کی ماں دیوانی ہوگئیں۔ بازاروں میں برہنہ پھرتی تھیں۔ آخر اسی حالت جنون میں انتقال کیا۔ حضرت علیؑ نے دونوں بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو بددعا فرمائی۔ خداو

۱۔ خواص الاخبار صفحہ ۱۰۲، مستطرف ج ۲ ص ۱۲۵

احادیث کی روایتوں سے، اور مروان لعین بن لعین جیسی شخصیت کی روایتوں سے تو مالا مال ہے مگر سید التابعین اویس قرنی رضی اور امام الصادقین امام جعفر علیہ السلام کی روایتوں سے معرّا ہے "مروان" اور "عکرمہ" تو بخاری کے نزدیک مقبول، مگر "اویس قرنی" اور "جعفر صادق" نامقبول۔ اے سبحان اللہ" (خلافت و امامت حصّہ دوم ص۳۰ مطبوعہ یوسفی پریس۔ یل فرنگی محل لکھنؤ)

شمس العلماء، علامہ شبلی نعمانی مرحوم فرماتے ہیں۔

"ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقرؑ) کی خدمت میں حاضر رہے، اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ سنی، شیعہ دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ، حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔

امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے، اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حضرت صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے، اس لئے ان کی شاگردی کیوں کر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔

امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں، لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ، بلکہ تمام مذہبی علوم، اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے۔ "صَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْھَا" گھر کا حال گھر والا ہی خوب جانتا ہے۔"

(سیرۃ النعمان ص۴۲ مطبع مفید عام۔ آگرہ)

مولانا عمر کریم صاحب لکھتے ہیں۔

"بخاری صاحب نے تقریباً چار ائمہ اہلبیتؑ کا زمانہ پایا۔ سیدنا حضرت علی ابن موسیٰ الرضاؑ، سیدنا امام محمد تقیؑ، سیدنا امام علی نقیؑ اور سیدنا امام حسن عسکریؑ

کا درس دیا جاتا ہے۔

یوں تو باعتبار صحت، چھ کتابیں صحیح مانی جاتی ہیں۔ (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابی داؤد (۵) جامع ترمذی۔ یہ متفق علیہ ہیں۔ چھٹی میں اختلاف ہے۔ "سنن ابن ماجہ"، یا "مسند دارمی"، یا "موطا"۔ ان چھ کتابوں کا مجموعی نام "صحاح ستہ" ہے اہلسنت والجماعت کے احادیث کا دارو مدار، یہی چھ کتابیں ہیں۔

سب سے زیادہ قابل وثوق "بخاری" ہے۔ اس کے بعد "صحیح مسلم"۔ اسی لئے ان کے مجموعہ کو "صحیحین"، کہا جاتا ہے۔

یہ امر انتہائی لائق افسوس ہے کہ "صحیح بخاری" میں ایسے راویوں سے روایت لی گئی ہے، جن کے حالات و سوانح حیات، اتنے گندے اور گھناونے ہیں کہ شرم سے انسانیت پانی پانی ہو جاتی ہے۔ پھر دوسری پانچ کتابوں کا کیا معیار، رہ جاتا ہے۔ جبکہ ان کتابوں کے چشمہ فیض، یہی "راویان متقیان" ہیں۔

"اشعث بن قیس"[1] ہی کو لیجئے۔ اسلام لانے کے بعد، مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت علیؑ کے جانی دشمن تھے۔ آپ کے شہید کرنے میں ان کی بھی سازش تھی۔ جنگ صفین میں گروہ خوارج کے سرغنہ یہی تھے۔ گانے بجانے کے عجیب مشغلہ سے بھی دل بہلا لیتے تھے۔

"بسر بن ارطاۃ" صحابی رسولؐ تھے[2] لیکن عداوت اہلبیتؑ میں امتیازی درجہ حاصل تھا۔ برسر منبر حضرت علیؑ پر تبرا کہتے تھے۔ صرف شیعیت کے جرم میں بیس ہزار شیعیان علیؑ کو تہ تیغ کر دیا۔ رسولؐ خدا کے چچا زاد بھائی حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کے دو کمسن بچوں کو شہید کر ڈالا جس کے صدمہ سے بچوں کی ماں دیوانی ہو گئیں۔ بازاروں میں برہنہ پھرتی تھیں۔ آخر اسی حالت جنون میں انتقال کیا۔ حضرت علیؑ نے دونوں بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو بددعا فرمائی۔ خداوند

۱۔ خواص الاثر صفحہ ۱۰۱ ۔ مستطرف ج ۲ ص ۱۲۵

"بسر" کی عمر دراز کر، اور اسکی عقل سلب کرلے۔ چنانچہ بد دعا کا اثر ہوا۔ یہ پاگل ہو گئے
اور ۸۶ھ میں بزمانۂ "ولید بن عبدالملک" انتقال کیا۔
"حجاج بن یوسف ثقفی" یہ بھی "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کے راوی ہیں۔
لوگوں کو حجرۂ رسولؐ کا طواف کرتے دیکھا تو کہا: "یہ لوگ لکڑیوں اور گلی ہوئی ہڈیوں کا طواف
کر رہے ہیں"۔
علماء نے کفر کا فتویٰ دیدیا، اس لئے کہ حدیث رسولؐ ہے۔ "اللہ نے زمین کے لئے
حرام کردیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے"۔ اس نے فرمان رسولؐ کو جھٹلایا۔ اور رسولؐ
کو جھوٹا کہنے والا، کافر ہوتا ہے۔ ان حدیثوں کی کتابوں میں، کافروں سے بھی حدیثیں
لی گئی ہیں (عقد فرید ج ۳ ص ۲۵۵)
"حصین بن نمیر" زبردست دشمن اہلبیتؑ تھا۔
اس کا شمار ناصبیوں میں ہے۔ دشمن اہلبیتؑ کو ناصبی کہتے ہیں۔ حضرت علیؑ پر
تبرا کرتا تھا۔ محدثین کے نزدیک اس کی حدیثیں صحیح نہیں ہیں (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۹۲)
کربلا میں افواج یزید کے ایک حصّہ کا سردار تھا۔ امام حسینؑ اور رفقاء کے شہید
کرنے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، اسی لئے ابن زیاد کی آنکھوں کا تارا تھا۔
"ابراہیم بن مالک اشترؒ" نے "مختارؒ" کے ساتھ، خون حسینؑ کا انتقام لیا تو اس کو
قتل کرکے جلا دیا (تاریخ صغیر ص ۷۵)
معلوم ہوا کہ "صحیح بخاری" میں قاتلان امام حسینؑ سے بھی حدیثیں لی گئی ہیں۔
"شمر ذی الجوشن" یہ بھی "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کا راوی ہے۔ اسی نے
امام حسینؑ کا سر، تن سے جدا کیا۔
رسول اللہؐ نے خواب میں دیکھا کہ ایک سرخ و سفید کتا، میرا خون چاٹ رہا ہے۔
خبر دی کہ میرے فرزند حسینؑ کا قاتل، ابروص ہوگا۔ شمر ابن ذی الجوشن ابروص تھا۔

ان کو اہلبیتؑ سے لاگ تھی اور کوئی لگاؤ نہ تھا۔

کتاب "صحیح بخاری" ایسا شیشہ ہے جس میں ان کے دینی عقائد اور مذہبی نظریات کا اصلی رنگ روپ نظر آتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی سیرت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے، جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہ ایسی چبھتی بات ہے کہ امام بخاری کے عقیدت مندوں سے بھی بات بنائے نہ بنے۔ طرفہ تماشا یہ کہ شروع میں جو تعصب کی عینک لگائی تھی، آخر تک نہ اتر سکی۔ کیوں نہ ہو بعض لوگوں کا ذائقہ ہی ایسا خراب ہوتا ہے کہ ان کا ذہن شہد کو بھی کوئین محسوس کرتا ہے۔ اس کے ماسوا، زمانہ کا آئینہ طبع بھی ......

...... ایسا کثیف اور دھندلا تھا کہ ائمہؑ کے سیرت و کردار کا عکس قبول نہ کرتا تھا مختصر یہ کہ امام بخاری کا وظیفۂ حیات تھا محفل حدیث میں اہلبیتؑ کو "دور باش" کہنا۔

ہم ہیں اور آشفتگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا

امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے "صحیح بخاری" کو ۱۶ سال میں لکھا، اور ۶ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کیا، نیز وہی حدیثیں لکھی ہیں جو صحیح ہیں۔

"نسائی" کا خیال ہے کہ تمام کتابوں میں کھری کتاب "صحیح بخاری" ہے۔

"ابن تیمیہ" کے قول کے مطابق اصل حدیثیں دو ہزار چھ سو تیس ہیں۔ لیکن اکثر حدیثوں کو کئی مرتبہ بیان کیا گیا ہے، اس لئے مجموعی تعداد ۹۶۸۲ ہے۔
(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۵۹)

امام "فربری" اور "عبدالقدوس بن ہمام" سے چند مشائخ نے فرمایا کہ امام بخاری، جب کوئی حدیث لکھتے تو پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھ لیتے۔ یہ حدیثیں کہ جو لکھی گئیں اکثر علماء نے "صحیح بخاری" کی شرحیں لکھی ہیں۔ مثلاً

"عمدۃ القاری" مصنفہ "بدر الدین ابو محمد محمود عینی" متوفی ۸۵۵ھ
"ارشاد الساری" مصنفہ "شہاب الدین احمد قسطلانی" متوفی ۹۲۳ھ
"فتح الباری" شرح "شیخ شہاب الدین ابن المشہور ابن حجر عسقلانی" متوفی
"تحفۃ الباری" از "زکریا انصاری" تیسیر القادری، وغیرہا۔

"تجرید البخاری" الملقب بہ "تلخیص البخاری"

یہ خلاصہ ہے "صحیح بخاری" کا۔ ۸۱۰ھ میں علامہ "حسین بن مبارک زبیدی" نے عربی میں تالیف کیا۔ اس کی افادیت وجامعیت تمام علمائے اسلام اور محدثین کرام کے نزدیک مسلم ہے۔ اس وقت بھی، مسلمان ملکوں کے نصاب حدیث میں داخل ہے۔

اس کی خصوصیات یہ ہیں کہ احادیث کی تکرار نہیں ہے۔ یعنی ایک ہی مضمون کی چند حدیثیں۔ متعدد بار ذکر نہیں کی گئیں۔ ہر حدیث کو اس کے مناسب باب میں ذکر کیا گیا ہے، تاکہ حدیث مطلوب کی تلاش میں دشواری نہ ہو۔ متعدد راویوں میں سے صرف اس راوی کو لیا ہے جس سے بلا واسطہ رسول خدا نے فرمایا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن الجھن محسوس نہیں کرتا۔

میرے زیر مطالعہ وہ "تجرید البخاری" تھی جسے شیخ الٰہی بخش ومحمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور نے ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں شائع کیا۔

اس کتاب میں، ہر حدیث کی پیشانی پر وہی عنوان ہے جو "تجرید بخاری" میں ہے۔ اپنی طرف سے کسی لفظ کا اضافہ نہیں۔ اور صفحات وباب بھی اسی کتاب کے مرقوم ہیں۔

عربی عبارت سے صرف نظر کرکے صرف ترجمہ کر دیا گیا ہے، تاکہ ضخامت کتاب زیادہ نہ ہو تقریباً ہر حدیث کے بعد، اہلسنت کی معتبر کتابوں سے مدد لے کر تشریح کی

ہے۔
خلوص قلب سے محنت شاقہ برداشت کر کے کتاب تیار کی ہے۔ شاید اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوکر، سفر آخرت کا زاد راہ قرار پائے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا

فیض باری در حالات امام بخاری

ولادت۔ ۱۳ر شوال سنہ ۱۹۴ھ بروز جمعہ بعد نماز۔
نام محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی بخاری۔ کنیت ابوعبداللہ
حلیہ۔ دبلے پتلے۔ میانہ قد

"چوری اور سینہ زوری" چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

"مسلمہ" نے بیان کیا کہ امام بخاری کے استاد "علی بن المدائنی" نے "کتاب العلل" تصنیف کی۔ کسی کو دکھاتے نہ تھے۔ ایک دن کھیت دیکھنے گئے تھے کہ امام بخاری نے ان کے بیٹے کو روپے دے کر ایک دن کے لئے عاریۃً کتاب لے لی، اور چند کاتبوں کو اجرت دے کر نقل کرالی، اور کتاب واپس کردی۔

ایک روز علمی مباحثہ میں علی بن المدائنی اور امام بخاری کے درمیان بحث ہوئی امام نے اسی کتاب سے جواب دیا۔ استاد تاڑ گئے کہ کتاب چوری ہوگئی، اور گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھادیا۔ آخر یہ پیتا جان لیوا ثابت ہوئی، اور علی بن المدائنی، اسی غم میں عالم باقی کو سدھار ے۔

(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵ مصنفہ حافظ ابن حجر شارح بخاری)

پھر تو امام بخاری نے مؤلف حدیث کا روپ دھارن کیا، جس سے ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے، اور شہرت سن بلوغ کو پہنچ گئی۔ خدا کے کارخانے

میں کسی کو کیا دخل، محنت کسی کی اور شہرت کسی کی۔

آج اس المناک بپتا کی صحت پر کون ایمان لا سکتا ہے؟ لیکن جس پر غم کا پہاڑ
ٹوٹ پڑا، اور دل مسوس کر رہ گیا، وہی جانتا ہے کہ کیا ہو گیا۔ چوری چھپی نہ رہی، اور

ذکر اب کارواں در کارواں ہے

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے (میر)
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں میں ملمع کا مال
کھرے مال سے کہیں زیادہ مقبول ہوا۔ یہی حال صحیح بخاری کا ہے۔

وفات:- جب چلتے چلتے قلم کا مسافر تھک گیا تو شب شنبہ، عید الفطر
کی چاند رات، بعد نماز عشا، بعمر ۶۲ سال ۲۵۶ھ میں باغبان قضا نے بحکم الٰہی
سے قلم لے کر، ان کی شاخ زندگی کو قلم کر دیا۔ سمرقند سے ۲ فرسخ کے فاصلہ پر
خرتنگ، گاؤں میں دفن ہوئے۔ کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

احقر العباد

علی جواد۔ موضع بھونہ۔ ڈاکخانہ کرہدہ۔ ضلع الٰہ آباد

احادیث بخاری

حدیث ۱:۔ ابراھیمؑ کے تین جھوٹ

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا۔ ابراہیمؑ صرف تین مرتبہ جھوٹ بولے۔ (۱) ابراہیمؑ نے کہا "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" میں بیمار ہوں (۲) آپ نے کہا "بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا" بلکہ ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے۔

(۳) آپ ایک روز اپنی بیوی حضرت "سارہ" کے ساتھ جا رہے تھے تو ایک جابر بادشاہ کے ملک میں گذر ہوا۔ بادشاہ کو خبر دی گئی کہ ایک نووارد شخص ہے جس کے ساتھ نہایت حسین و جمیل عورت ہے۔ بادشاہ نے ابراہیمؑ کو بلا کر پوچھا۔ یہ عورت کون ہے؟ جواب دیا۔ میری بہن ہے۔ پھر آپؑ نے حضرت سارہ سے سارا واقعہ بیان کیا۔

"اُمِّ شریک" کی وہ حدیث پہلے گذر چکی، جس میں آنحضرتؐ نے گرگٹ مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس حدیث میں اتنا اور زیادہ کر دیا کہ گرگٹ، حضرت ابراہیمؑ کی آگ میں پھونک مارتا تھا (کتاب بدء الخلق حصّہ دوم ص ۱۰۶)

تشریح اس حدیث کے نقش و نگار کا سرسری خاکہ کھینچنے کے بعد، اس میں تھوڑا سا تشریحی رنگ بھرتا ہوں، تاکہ قارئین کے سامنے قلمی تصاویر آ جائیں۔ پھر اس کا پڑھنا، سرمۂ چشم بصیرت اور نور دیدۂ عبرت ہوگا۔

جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے۔ اسلام کے تمام فرقے انبیاء علیہم السلام کو معصوم مانتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرف تین جھوٹ بولنے کا بہتان باندھنا اور گناہ کبیرہ کا ذمہ دار قرار دینا، امام بخاری کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ خداوند عالم ہر سچے مسلمان

کو اس ابتلاءِ عظیم سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم میں ایک عید تھی۔ سب لوگ عید گاہ جانے لگے تو آپ سے بھی چلنے کو کہا۔ آپ نے ستاروں کی طرف دیکھ کر فرمایا "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" میں بیمار ہوں (پ ۲۳۔ س الصّٰفّٰت۔ آیت ۸۹)

امام بخاری کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جھوٹ بولے۔ بیمار نہ تھے۔ علما نے جواب دیا ہے کہ کسی کی بیماری کی، دوسروں کو کیا خبر؟ ایک شخص کے سر میں درد ہے، یا طبیعت گری ہوئی ہے۔ دوسرے کو اس تکلیف کا کیا احساس! علاوہ ازیں، قوم کی ضلالت و گمراہی سے آپؑ رنجیدہ اور دلتنگ تھے ہی۔ یہ بھی ایک بیماری ہے، پھر جھوٹ کیسا۔

۲۔ "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" بلکہ یہ کام ان کے بڑے (خدا) نے کیا ہے۔ جب سب لوگ عید گاہ چلے گئے تو آپؑ بتوں کی طرف متوجہ ہوئے (جن کے سامنے، طرح طرح کی مٹھائیاں اور کھانے رکھے تھے) اور کہا۔ کھاتے کیوں نہیں؟ اور بولتے بھی نہیں ہو۔ پھر آپ نے بت شکنی شروع کر دی۔ سارے بتوں کو توڑ کر، بڑے بت کے گلے میں کلھاڑی لٹکا دی۔ اس کو نہ توڑا۔ جب لوگ عید گاہ سے واپس آئے تو بتوں کی درگت دیکھ کر کہنے لگے۔ جس نے ہمارے بتوں کی یہ درگت بنائی ہے، یقیناً وہ ظالم ہے۔

بعض لوگوں نے کہا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو سنا کہ ہمارے بتوں کی برائی کرتے ہیں، ہو نہ ہو، یہ انھیں کی حرکت ہے۔ آخر مشورہ ہوا کہ ان کو قوم کے سامنے حاضر کر کے، معاملہ کی جانچ کی جائے۔ جب آپ آئے تو لوگوں نے پوچھا۔ ابراہیم! کیا تم نے ہمارے بتوں کو توڑا ہے؟ آپ نے بہت اطمینان سے جواب دیا۔ "بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا" بلکہ ان کے بڑے نے یہ کام کیا ہے۔ (خدا نے) ان کے

دریافت کرد، اگر یہ جواب دے سکیں۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑا، اور کہا، یہ کام ان کے بڑے نے کیا۔ تو حضرت ابراہیمؑ جھوٹ بولے۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جھوٹ نہیں بولے، کیونکہ خداوند عالم کار تبلیغ کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔ جیسے رسول اللہؐ نے کفار کی طرف، خاک پھینکی۔ اس فعل کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا " وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى " (پ ۹ س الانفال۔ آیت ۱۷)

اے رسولؐ! جب تم نے خاک پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی۔ حضرت ابراہیمؑ نے بھی کار تبلیغ کو اللہ کی طرف منسوب کیا۔ پھر جھوٹ کیسا؟

۳۔ " إِنِّي أَخُوكِ " میں تمہارا بھائی ہوں۔ امام بخاری کا اعتراض ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا تیسرا جھوٹ ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ جب قوم کی دشمنی حد سے بڑھ گئی تو ابراہیمؑ نے وطن ترک کر دیا، اور عرصہ تک صحرانوردی اور بادیہ پیمائی کرتے ہوئے " مصر " جا پہنچے۔ آپ کی بیوی حضرت سارہؑ، آپ کے ساتھ تھیں۔

" اس حکومت کا دستور تھا کہ اگر شوہر اور بیوی ساتھ ہوتے تو بادشاہ، شوہر کو قتل کرا کے بیوی پر قبضہ کر لیتا تھا لیکن اگر بھائی بہن ہوتے تو بھائی قتل نہ ہوتا، اور بہن بادشاہ کے حوالہ ہو جاتی۔

لہٰذا آپ نے حضرت سارہ سے کہا۔ " إِنِّي أَخُوكِ " میں تمہارا بھائی ہوں۔ یہی بادشاہ کو بتاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے بادشاہ سے یہی کہا، اور آپ کی جان بچ گئی۔ حضرت سارہ، بادشاہ کے سپرد ہوئیں۔

رات کو بادشاہ نے بری نیت سے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ اس نے توبہ کی تو آپ کی دعا سے

درست ہوگیا۔ اسی طرح تین مرتبہ ہوا۔ اب بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ خدارسیدہ اور اہل اللہ ہیں۔ چنانچہ بہت معذرت کی، اور اپنی بیٹی "ہاجرہ" کو حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دیدی۔

یہ ہے امام بخاری کا اعتراض کہ حضرت ابراہیمؑ نے شوہر ہوتے ہوئے اپنے کو بھائی بتایا جو صریحی جھوٹ ہے۔

علماء نے جواب دیا ہے۔ حدیث ہے "کُلُّ مُؤمِن و مؤمنة اخوة" ہر مومن اور مومنہ آپس میں بھائی بہن ہیں۔ اس لحاظ سے آپ دینی بھائی ہوئے۔

علاوہ ازیں، حضرت سارہ بیٹی تھیں آپ کے چچا "حاران" کی، اس طرح بھی آپ بھائی ہوئے۔ اسے جھوٹ وہی کہہ سکتا ہے جو آفتاب کی روشنی سے انکار کرے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(قصص القرآن۔ حصہ اوّل۔ مصنفہ مولوی حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم سابق ...)

٢:۔ موسیٰؑ کے کپڑوں کو لے بھاگنا

بنا بر روایت ابوہریرہ، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل ننگے اور ایک دوسرے کو دیکھا کرتے تھے۔ لیکن موسیٰؑ تنہا ننگے نہاتے تھے۔ (لوگوں کو غلط فہمی تھی کہ موسیٰؑ کے ننگے نہانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خصیے بڑے ہیں۔ اس عیب کو چھپانے کے لئے سب سے الگ نہاتے ہیں)

ایک دن موسیٰؑ نہانے گئے، اور کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیا۔ پتھر ... لے کر بھاگا۔ اور موسیٰؑ اس کے پیچھے چلاتے ہوئے دوڑے۔ پتھر ...

دیدے۔ پتھر! میرے کپڑے دیدے۔ بنی اسرائیل نے ان کو ننگا دیکھا تو کہا۔ بخدا!! ان میں کوئی عیب نہیں۔ پھر موسیٰ کپڑے لے کر پتھر کو مارنے لگے۔

ابوہریرہ کہتے ہیں۔ قسم خدا کی، پتھر کو اتنا مارا کہ اس میں چھ سات نشان پڑ گئے (کتاب الغسل۔ حصہ اول صفحہ ۳۷)

تشریح۔ حدیث ۲-۳-۴ کے عنوانات بالترتیب ،،موج تبسم،، ،،دور قہقہہ،، اور ،،کشت زعفران،، ہوتے تو مناسب تھا۔ ان حدیثوں کے اور مطالعہ میں، لطیفے کا لطف، مزاح کا چٹخارا ہے آنکھوں کو نور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ بہار گوناگوں اور صد رنگ، دل لبھاتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے، جہاں امام بخاری کے قلم گوہر رقم کا جوبن، پورے زور کے ساتھ نظر آتا ہے۔

رسول اللہ نے پتھر میں نشان پڑنا نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ قول ابوہریرہ کا ہے۔ کیا ابوہریرہ کا قول بھی بمنزلہ حدیث کے ہے؟ علاوہ ازیں، ابوہریرہ کو کیسے معلوم ہوا کہ پتھر میں چھ سات نشان پڑ گئے۔

۴:۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات کا قصہ

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ موسیٰؑ کی قبض روح کے لئے ملک الموت آئے تو موسیٰ نے تھپڑ رسید کیا (جس سے وہ کانے ہو گئے۔) ملک الموت لوٹ گئے، اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔ خداوندا! تو نے مجھے اس بندے کی طرف بھیجا جو موت نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھ لوٹا دی، (اور دو آنکھوں والے ہو گئے) اور کہا۔ موسیٰؑ سے کہو، اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھیں۔ جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آجائیں گے، اتنی ہی عمر

اُن کی بڑھا دی جائے گی۔ موسیٰؑ نے عرض کی۔ بارالہا! پھر کیا ہوگا؟ جواب ملا موت
(جس سے چارہ نہیں) عرض کی ابھی قبض کرلے۔
خداوندا! مجھے بیت المقدس سے اتنا قریب کردے کہ پتھر پھینکا جائے تو
پہنچ جائے۔
رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو ان کی قبر دکھا دیتا جو سرخ ٹیلے
کے قریب، راستے کے کنارے ہے (باب فی الجنائز۔ حصہ اوّل صفحہ ۲۲)

۴۔ آپؐ کا فرمان کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا۔

ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم
ہوگیا تھا۔ پتہ نہ چلا کہ کیا ہوا؟ میرے خیال میں وہ غائب شدہ گروہ "چوہے" ہیں۔
کیونکہ جب چوہوں کے سامنے بکری کا دودھ رکھا جاتا ہے تو پی لیتے ہیں، اور اونٹ کا دودھ
نہیں پیتے۔
ابوہریرہ کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ حدیث "کعب" سے کہی تو (حیرت سے) پوچھا
کیا تم نے یہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ کعب نے کئی مرتبہ پوچھا
کہ تم نے رسولؐ سے سنا ہے؟ میں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا۔ پھر میں نے کہا۔ کیا میں نے
توریت پڑھی ہے (جو یہ بات معلوم ہو گئی ہو) کتاب بدء الخلق حصہ دوم صفحہ ۹۹-۱۰۰

تشریح۔ قرآن مجید میں ہے "وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي
السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ" (پ ۱ س البقرہ آیت ۶۵)
اور تمہیں معلوم ہیں وہ جنھوں نے تم میں سے "سبت" کے بارے میں تعدی سے کام
لیا تھا تو ہمارا ان کے لئے حکم ہوا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔
یہ قصہ ہے "اُبلہ" والوں کا۔ یہ بستی ستر ہزار کی آبادی، دریا کے کنارے تھی
ان کے پیغمبر حضرت داؤدؑ تھے۔ باشندگان "اُبلہ" کو از جانب خدا حکم دیا گیا کہ سنیچر کے دن

صبح سے شام تک عبادت کیا کرو، اور اُس دن مچھلی کا شکار بند کر دو۔ ان لوگوں نے دریا کے کنارے چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیئے، اور جمعہ کو دریا سے نالیاں کاٹ کر حوضوں میں پانی لاتے۔ پانی کے ساتھ، مچھلیاں بھی آ جاتیں۔ پھر نالیاں بند کر کے اتوار کو مچھلیاں مارتے، اور کہتے ہم حکم خدا کے خلاف نہیں کرتے۔ پھر جرأت بڑھ گئی، اور سنیچر کو شکار مارنے لگے۔ ان میں کچھ نیک لوگ بھی تھے جو ایسا کرنے سے منع کرتے۔ جب لوگوں کی نافرمانی حد سے بڑھ گئی تو حضرت داؤدؑ نے بد دعا فرمائی، نافرمان لوگ، بندروں کی صورتوں میں مسخ ہو گئے، تاکہ آئندہ قومیں عبرت حاصل کر کے خدا کی نافرمانی نہ کریں۔

"کُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ" پ ۹ س اعراف، آیت ۱۶۶ میں بھی ہے۔

دوسرے مقام پر قرآن مجید میں ہے "قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ" (پ ۶ س المائدہ آیت ۶۰)

اے رسولؐ! کہہ دو۔ میں تم کو اس چیز کی خبر دیتا ہوں، جس کی سزا، اللہ کے نزدیک بدترین ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ نے اس پر لعنت کی۔ اس پر غضب نازل کیا، اور ان میں سے بعض لوگوں کو بندر اور سور بنا دیا۔

قرآن مجید سے اس حدیث کی صحت کا پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ کوئی آیت نہیں بتاتی کہ کوئی قوم چوہوں کی شکل میں مسخ کی گئی ہو۔

میں روز دوشنبہ ۱۰ فروری ۶۴ء کو اس حدیث کے سمجھنے کے لئے حضرت مولانا مولوی وصی اللہ صاحب ام مجدہٗ کے دولتکدہ پر حاضر ہوا۔ آج کل الہ آباد اور گردونواح میں مولانائے موصوف کے علم و فضل کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ روزانہ صبح کو سینکڑوں مریدین باصفا، درس خاص میں شریک ہوتے ہیں، اور ہر اتوار کو صبح درس

عام ہوتا ہے جس میں مجمع کی کثرت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔ راقم الحروف کو تین بار
عام میں شرکت کا شرف حاصل ہے۔ لیکن میری بد ذوقی کو ذوق حاصل نہ ہوا۔ ڈھاک
کے تین پات، والی مثل ہوئی۔

مولانا تک پہنچنا، ساکنان عرش معلّٰی اور کروبیان ملاء اعلیٰ کی قسمت میں ہو
میرے بخت نارسا کی رسائی محال۔ سیڑھیاں طے کرکے بالاخانہ پر قدم رکھنا تھا
دربانوں نے تیتے لیے۔ سوالوں کی چاند ماری کردی۔ کیوں آئے؟ کیا کام ہے
کس سے ملنا ہے؟ وغیرہ۔ میں نے اندازہ کیا۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

گھبرا کر بھاگنا چاہتا تھا کہ حضرت کے شاگرد رشید مولوی عبدالرحمن
صاحب آڑے آئے۔ میں نے عرض کیا۔ حدیث مذکور، قرآن سے مطابقت
نہیں کرتی اگر "صحاح ستہ" کی کسی حدیث سے مطابقت ہو تو فرمائیے۔ جواب ملا
کہ اصل حدیث مع باب کے ملفوف بھیج دیجئے گا، جواب روانہ کردیا جائے گا۔

میں نے روز جمعہ ۱۴ فروری ۶۴ء کو عربی میں اصل عبارت حدیث کی
مع باب، لفافہ میں ذریعہ ڈاک روانہ کیا۔ لیکن صدائے برنخواست۔ اخلاق کا
معمولی مظاہرہ یعنی جواب سے بھی محروم رہا۔

ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں
تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا — غالب

معلوم ہوتا ہے "حدیث" اپنی نوع میں منفرد ہے۔ اور کہیں سے اس کی
صحت کا ثبوت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث سن کر "کعب" کو بھی سخت حیرت ہوئی
اگر ہم خاطی انسان فرط حیرت میں غرق ہو جائیں تو کیا تعجب ہے؟ ۱۴۲۶

"میں نے انکو خوب پہچان لیا۔ ملاقات نہیں ہو سکتی چل دیجئے" یہ کہکر بڑبڑاتے ہوئے چل دیئے

۵: - آپؐ کا صرف ایک بار برہنہ ہونا

جابر بن عبد اللہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ، خانۂ کعبہ کے سلئے، دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے کندھوں پر پتھر ڈھو رہے تھے۔ آپ کے چچا جناب عباسؓ نے کہا۔ بھتیجے! تہمد کھول کر کندھے پر ڈال لو، اور اس پر پتھر رکھو تو بہتر ہے۔ آپؐ نے (برہنہ ہو کر) تہمد کندھے پر ڈالا تو غش کھا کر گر پڑے۔ پھر آپؐ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔ (کتاب الصلوٰۃ حصہ اول صفحہ ۹۰)

تشریح ۵ ؁ء عام الفیل میں آنحضرتؐ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ اسی زمانہ میں بارش کے پانی نے خانۂ کعبہ کی دیوار کاٹ دی تھی۔ قریش مکہ اس کی مرمت میں مصروف تھے۔ "باقوم" نامی ایک رومی، جو فنِ تعمیر میں ماہر تھا، اس کی مرمت کر رہا تھا۔ چونکہ ایامِ جاہلیت میں برہنہ رہنا، معیوب نہ تھا، اس لئے قریش تہمد اتار کر کندھے پر رکھ لیتے، اور پتھر ڈھوتے، آنحضرتؐ بھی ان کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے۔ آپ کے چچا عباسؓ نے کہا۔ جانِ عم! تہمد اتار کر کندھے پر رکھ لو، تاکہ پتھر کی اذیت سے محفوظ رہو۔ جب آپؐ نے تہمد اتار کر کندھے پر رکھنا چاہا تو ننگے دکھائی پڑے۔ فوراً آپ کو غش آگیا، اور گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو ہاتف غیبی نے آواز دی "خمّر عورتک" اپنا آگا پیچھا چھپاؤ۔ پھر آپؐ کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے۔ یہ غیب کی پہلی آواز تھی جو آپؐ نے سنی۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۹-۴۰ مصنفہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

یہ امر قابلِ غور ہے کہ جابر بن عبد اللہ کو یہ خبر کہاں سے ملی؟ رسول اللہؐ نے فرمایا نہیں، کیونکہ حدیث میں آپؐ کا فرمانا مذکور نہیں۔ اگر مشہور صحابی جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں تو یہ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ ان کو مکہ کی کیا خبر؟ اس وقت اسلام بھی نہ لائے تھے۔ بہرحال

ڈور کو سلجھا رہا ہوں پر سرا ملتا نہیں

۶۔ سب سے پہلے آپؐ کا اپنے قریبوں کو تبلیغ اسلام فرمانا۔

ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "اے رسول اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ" تو رسولؐ نے فرمایا۔ اے گروہ قریش یا اسی قسم کا کوئی اور کلمہ فرمایا۔ اپنے نفسوں کو خرید لو (اپنے اعمال درست کرلو) میں تم سے ذرا بھی عذاب خدا کو دفع نہیں کرسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں تم سے ذرا بھی عذاب الٰہی دور نہیں کرسکتا۔ اے رسولؐ کی پھوپھی صفیہ! میں تم سے اللہ کا عذاب دور نہیں کرسکتا۔ اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؑ! جو چاہو، میرے مال سے لے سکتی ہو۔ لیکن عذاب خدا، دور کرنا میری طاقت سے باہر ہے۔

(کتاب الوصایا۔ حصہ دوم ص ۳۲)

تشریح اس کو "دعوت عشیرہ" کہتے ہیں۔ سنہ ۳ بعثت میں یہ آیت نازل ہوئی۔ "وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِین" (پ ۱۹ س شعرا، آیت ۲۱۴) رسول خدا نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا، جس میں ۴۰ آدمی تھے۔ پھر فرمایا۔ قسم بخدا!! اہل عرب میں سے کوئی شخص وہ بہترین شے نہیں لایا جو میں لایا ہوں۔ میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں دین الٰہی کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون شخص اس شرط پر میرا ہاتھ بٹائے گا کہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو۔ اس آواز پر سناٹا چھا گیا، لیکن حضرت علیؑ، جو سب سے چھوٹے تھے کھڑے ہوگئے۔ عرض کی۔ یا رسول اللہ! میری خدمات حاضر ہیں۔ میں آپؐ کا ہاتھ بٹاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پکڑی، اور فرمایا۔ یہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔ اس کی بات مانو، اور اطاعت کرو۔ یہ سننا تھا کہ لوگ قہقہہ لگا کر کھڑے ہوگئے، اور حضرت ابو طالب سے کہنے لگے۔ تم کو حکم دیا ہے کہ

بیٹے کی بات مانو، اور اس کی اطاعت کرو (مسند حنبل ج ۱ ص۱۵۹ ازالۃ الخفا مقصد ۲ ص۲۵۲ مصنفہ شیخ ولی اللہ صدیقی دہلوی)

حضرت علیؑ کے اس کہنے پر آپ نے فرمایا۔ علیؑ! تم میرے بھائی، میرے وصی، میرے وارث، اور میرے بعد میرے خلیفہ ہوگے (سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص۲۸۶)

رسالہ "نگار" لکھنؤ، بابت ماہ ۱۹۳۵ء میں زیر عنوان "خلافت و امامت" ایک بحث چھڑی تھی:

"ابتدائی مضمون، ایک ہندو اہل قلم "ہرنام" کے تھے۔ امامیہ مشن لکھنؤ نے جملہ مضامین کو ۶ حصوں میں شائع کیا۔

سنئے۔ "ہرنام" کے قلم کا بلبل ہزار داستاں، کیسا نوا سنج فغاں ہے، اور وہ خود بھی حب اہلبیتؑ کے پیمانۂ وصہبا اور ساغر و صینا سے سرشار ہو کر، گل افشانی گفتار پر آمادہ ہیں۔ ان کا یہ کہنا بجا ہے۔

چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

جب آیت "وَاَنذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ" نازل ہوئی، اور ایک محدود دائرہ کے اندر تبلیغ کا حکم نازل ہوا تو آنحضرتؐ نے اپنے اقربا اور اولاد عبد المطلب و ہاشم کو جمع کیا، اور اس وقت جو تقریر آپ نے کی، وہ خلافت کے مسئلہ کو بھی ہمیشہ کے لئے حل کر گئی۔

ارشاد ہوتا ہے۔ اے فرزندان عبد المطلب! اباور کرو کہ میں نہیں سمجھتا، عرب کے کسی جوان نے اپنی قوم کے سامنے وہ تحفہ پیش کیا ہو، جو میں تمھارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی دعوت دوں۔ پھر کون ہے جو اس امر میں میرا ساتھ دے، تاکہ وہی میرا بھائی، میرا ولی عہد، اور میرا جانشین قرار پائے۔ یہ سنکر مجمع پر خاموشی کا عالم طاری ہوگیا، اور کسی طرف سے آواز بلند نہ ہوئی۔

آخرکار علیؑ اٹھے، اور باآواز بلند کہا۔ اے رسولؐ میں آپ کی عنایت و ہمدردی
کے لئے آمادہ ہوں۔ حضرتؐ نے یہ سنکر فرمایا۔ دیکھو۔ یہی میرا بھائی، میرا ولی عہد اور
میرا جانشین ہے۔ تم کو اس کی بات سننا اور طاعت کرنا چاہئے [۱]
چلئے، معاہدہ ہوگیا۔ قرارداد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ علیؑ نے بیعت کی۔ رسولؐ نے
لی۔ کس بات پر؟ نصرتِ اسلام پر۔ اعلاء و کلمۃ الحق پر۔ اور رسولؐ نے اسی وقت
اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ طے کر دیا۔

بیشک، اگر خود علیؑ اس کے بعد اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے۔ اپنے اقرار
میں ثابت قدم نہ ٹھہرتے۔ اپنے عہد نصرت میں کمزور ثابت ہوتے تو یہ معاہدہ بھی
کالعدم ہوجاتا۔ لیکن چونکہ آپؑ کی خدمات، شروع سے اخیر تک یکساں طور پر اسی
طرح قائم رہتی ہیں، اس لئے ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاہدہ منسوخ ہوگیا؟
(خلافت و امامت حصہ اول ص۱۰۹)

حضرت علیؑ، اول المسلمین ہیں۔ سب سے پہلے آپؑ ہی اسلام لائے۔ (یہ سواد
اعظم کی زبان ہے، ورنہ شیعوں کے اعتقاد میں آپؑ مسلمان ہی پیدا ہوئے) جب
آپؑ کے اسلام کا تذکرہ آتا ہے تو مادہ پرست طرز فکر کا انسان، سرسری طور سے کہہ دیتا ہے
کہ بچوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔

آج آزمائش کی گھڑی ہے۔ نو طفل اسلام پر وقت پڑا ہے۔ رسول اللہؐ
وصی اور خلیفہ بنانے کا وعدہ فرما رہے ہیں، لیکن اس بچہ کے سوا، کوئی جوان اور
جری، کوئی بوڑھا "یارِ غار" رسولؐ کی آواز پر لبیک نہیں کہتا، اسلام کے آڑے
نہیں آتا۔

۱۔ طبری ج ۲ ص ۲۱۷ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۱۶ مطبوعہ مصر۔ کامل ج ۲ ص ۲۲ لباب التاویل خازن
ج ۵ ص ۱۰۶ معالم التنزیل برحاشیہ تفسیر خازن ج ۵ ص ۱۰۵

تاریخ کا ایک ایک نقطہ دیکھ ڈالئے، کہیں نہ پائیے گا کہ کسی جنگ میں دشمن کو زخم لگایا ہو، خود چرکہ کھایا ہو، یا نکسیر پھوٹی ہو۔ جیسے بنے گھر میں ویسے ہی رن میں۔

علیؑ وہ ہیں جو ہر خون آشام محاذ پر آگے رہے۔ سیاسی سرکش قوتوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ آہن و فولاد میں ڈوبی ہوئی غنیم کی صفوں کو پرکاہ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ چٹان جیسے مضبوط قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، اور دنیائے گیر و دار میں امر ہو گئے۔ جب بھی اسلام کی کشتی، کفر و شرک کے منجدھار میں گھری انھیں نے امن و سلامتی کے ساحل سے ہمکنار کیا۔ ساری زندگی، عدل و انصاف کی پرورش، اور اسلام کے گیسو سنوارنے میں صرف کر دی۔ سچ یہ ہے، اگر علیؑ نہ ہوتے تو اسلام نہ ہوتا۔

اسلام زندہ باد　　　نام علیؑ پائندہ باد

۷:۔ غار ثور میں آپؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو تسکین دینا

حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ میں غار ثور میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھا۔ میں نے سر اٹھایا تو لوگوں کے قدم نظر آئے۔ میں نے عرض کی، یا رسول اللہؐ! اگر ان میں سے کسی نے نگاہ نیچی کی تو ہم کو دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا۔ چپ رہو ابوبکرؓ ہم دو ہیں، ہم میں کا تیسرا اللہ ہے (ہجرت النبیؐ۔ حصہ دوم ص ۱۸۹)

تشریح۔ "ثور"، مکہ کی داہنی جانب ایک پہاڑ تھا۔ آنحضرتؐ نے مکہ سے مدینہ کی جانب شب پنجشنبہ کو تنہا ہجرت کی۔ محمد بن جریر طبری شافعی تاریخ طبری جلد ۲ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا، اور مدینہ کی راہ لی۔ تھوڑی دیر بعد، حضرت ابوبکرؓ پہنچے، اور حضرت علیؑ سے آنحضرتؐ کی بابت دریافت کیا۔ آپؑ نے فرمایا۔ غار ثور کی طرف تشریف

لے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر اسی راہ پر چل پڑے۔ اندھیری رات، آنحضرتؐ
نے حضرت ابوبکر کے پاؤں کی آہٹ پائی تو سمجھے، مشرکوں میں سے کوئی ہے۔
آپؐ تیز تیز چلنے لگے، یہاں تک کہ آپؐ کے جوتے کا بند ٹوٹ گیا۔ پھر ٹھوکر کھائی اور
انگوٹھے سے خون جاری ہو گیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر پہنچ گئے، اور تین شب و
روز غار میں رہے۔

خداوند عالم نے اسی شب، اپنی قدرتِ کاملہ سے غار کے دہانہ پر ببول
کا درخت اگا دیا، اور کبوتروں نے درِ غار کے نیچے آشیانہ بنا کر انڈے دیئے، اور
مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔

"سراقہ بن مالک"، آنحضرتؐ کے نشان قدم پہچانتا ہوا غار پر پہنچا، اور وہاں
پہنچ کر ٹھٹھک گیا، کیوں کہ وہاں نشان قدم نہ تھا۔ کہنے لگا۔ معلوم نہیں، آسمان پر گئے
یا زمین میں غائب ہو گئے۔ مکڑی کا جالا، اور کبوتر کا گھونسلا اور انڈے ہیں۔ ان
چیزوں کو دیکھ کر کفار قریش واپس ہو گئے۔

حضرت ابوبکر، مضطرب اور حواس باختہ تھے۔ عرض کی یا رسولؐ اللہ! اگر
کوئی مشرک نیچے نظر کرے گا تو ہم کو دیکھ لے گا۔ آپؐ نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں۔
اللہ ہم کو ظفر یاب کرے گا۔

اسی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے "اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ
لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (پ ۱۰-س- التوبہ آیت ۴۰) اس وقت وہ دونوں
غار میں تھے۔ رسولؐ اپنے ساتھی کو سمجھا رہے تھے، رنج نہ کرو۔ یقیناً اللہ ہمارے
ساتھ ہے (ہماری حفاظت کرے گا)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، واقعۂ غار ثور کے تحت حضرت ابوبکر کی حالت
لکھتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر کے رخسار سے آنسو رواں ہو کر آپ کے روئے مبارک پر گرے، جس سے آپ بیدار ہو گئے۔ فرمایا۔ ابوبکر! غم نہ کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ خداوند عالم نے تسکین نازل فرمائی، اور ان کے دل کو سکون و آرام نصیب ہوا۔

(مدارج النبوۃ۔ ج ۲ ص ۸۲)

حضرت علیؑ کی جاں نثاری اور فداکاری کے صلہ میں آیت نازل ہوئی۔

"وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ"

(پ ۲ س البقرہ۔ آیت ۲۰۸)

اور آدمیوں ہی میں وہ بھی ہے جو اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لئے۔ اور اللہ بندوں پر بڑا شفیق ہے۔

امام غزالی نے "احیاء العلوم" اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جب آپ شب ہجرت، فرش رسول پر، سبز چادر اوڑھ کر سوئے ہیں اس وقت حضرت علیؑ کی عمر شریف ۲۱ سال کی تھی۔

مسلمانوں کا ایک فرقہ لفظ "صاحب" پر بہت زور دیتا ہے کہ رسول اللہ نے حضرت ابوبکر کو "صاحب" ساتھی کہا۔ یہ حضرت ابوبکر کی بڑی فضیلت ہے۔

جوابات بہت ہیں، لیکن اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ زوجۂ نوحؑ اور زوجۂ لوطؑ پیغمبر بھی اپنے شوہروں کی "ساتھی" تھیں۔ مکانوں میں ساتھ رہتی اور سوتی تھیں، حالانکہ دونوں کافرہ تھیں۔ حضرت آسیہ اپنے کافر شوہر "فرعون کی "صاحبہ" ساتھی تھیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا۔ یَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ" اے قید کے میرے دو ساتھیو یہ دونوں کافر تھے۔ اللہ نے کفار قریش سے کہا۔ "وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ" تمہارا ساتھی "محمد" مجنون نہیں ہے۔ معلوم ہوا، لفظ "صاحب" عزت اور منزلت کا سبب نہیں، ورنہ یہ لفظ کفار کے متعلق استعمال نہ ہوتا، نہ لفظاً نہ معناً۔

اسی سے ملتا جلتا حضرت موسیٰؑ کا قصہ ہے، جب آپ مصر سے اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر چلے ہیں۔ قرآن میں ہے۔

"فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ○ فَلَمَّا تَرَاۤءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ○ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ○ (پ ۱۹ س الشعرا، آیت ۶۲)

اور ان لوگوں نے سورج نکلتے نکلتے انکا پیچھا کیا تو جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں تو موسیٰ کے ساتھی (ہراساں ہو کر) کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑے گئے۔ موسیٰ نے کہا۔ ہرگز نہیں، کیونکہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے۔ مصر میں فرعونیوں یعنی قبطیوں نے حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم بنی اسرائیل پر دنیا تنگ کر دی، اور مکہ میں کفار قریش نے رسول خدا اور مسلمانوں کی جان اجیرن کر دی۔ حضرت موسیٰؑ نے رات کو قوم کیساتھ خلیج سویز کی راہ لی۔ رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکر کے ساتھ چل کر غار ثور میں پناہ لی۔

حضرت موسیٰ کی قوم نے لشکر فرعون کو دیکھا تو ڈر گئے، اور کہنے لگے، اب ہم ضرور گرفتار ہو جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کفار کو دیکھا تو ڈر کر کہنے لگے، اگر کسی نے غار کی طرف دیکھا تو ہم نظر آ جائیں گے، پھر پکڑے جائیں گے۔ ۴۶

صرف ظاہر الفاظ میں فرق ہے، ورنہ دونوں واقعات کا مقصد ایک ہے۔

۸۔ رسول خداؐ کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

حذیفہ بن یمانؓ نے بیان کیا کہ رسولؐ خدا نے ایک قوم کے کوڑا کرکٹ پھینکنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر پانی مانگا تو میں نے پانی دیا، اور آپ نے وضو کیا۔ (کتاب الوضوء۔ حصہ اول صفحہ ۹۶)

۱؎ خلیج سویز۔ بحر احمر کی شاخ ہے۔ اس کا پاٹ حسب موقع ۱۰میل سے ۲۰میل تک ہے۔ حضرت موسیٰ نے یہیں سے پار کیا تھا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہوا تھا دریائے نیل کو عبور کرنے کی شہرت غلط ہے۔

تشریح ۔ زید بن وہب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو کھڑے کھڑے پیشاب کرتے دیکھا (کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۶ کتاب الطہارۃ)

۹۔ جواز رخ، وقت حاجت بیت المقدس

عبداللہ بن عمرؓ نے (اعتراضاً) کہا کہ لوگ کہتے ہیں، پاخانہ میں، قبلہ اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھا کرو (یہ غلط فتویٰ ہے) میں ایک گھری چھت پر چڑھ گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ دو اینٹوں پر بیٹھے، قبلہ کی طرف منہ کئے، پاخانہ کر رہے ہیں (کتاب الوضوء۔ حصہ اول ص ۵۵)

تشریح ۔ تمام مسلمانوں کا فقہی مسئلہ ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کیلئے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا حرام ہے۔ بانی اسلام اور یہ فعل۔ فیا للعجب۔ اس وقت بھی یہ مسئلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عمر نے تعریضاً کہا، اور رسولؐ اللہ کا یہ فعل بتا کر مسئلہ کی تردید کی یعنی ابن عمرؓ کا یہ خیال ہے کہ قبلہ کی طرف، پاخانہ پیشاب کے لئے بیٹھنے میں ہرج نہیں، اور نہ خلاف شرع ہے، بلکہ سنت رسولؐ ہے، کیونکہ رسولؐ کا ہر فعل "سنت" کہلاتا ہے

۱۰۔ حائضہ سے مباشرت

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ میں اور رسولؐ اللہ، حالت جنب (ناپاکی) میں ہوتے ہوئے بھی ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے۔ جب میں حیض سے ہوتی تو آپ مجھے ازار پہننے کا حکم دیتے۔ اس کے بعد مجھ سے ہمبستر ہوتے۔ اسی حالت حیض میں جب آپ اعتکاف ہوتے اور مسجد میں بیٹھے رہتے اور پھر سر باہر نکال دیتے تو۔۔۔ میں اسے دھو دیتی تھی (کتاب الحیض۔ حصہ اول ص ۷۶)

۱۱۔ مضمون بالا

حضرت عائشہؓ ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ رسولؐ اللہ کی بیویوں میں سے

(ص ۱۲۶) زید بن وہب نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے ہیں۔ میں نے وجہ پوچھی ... [margin text partially illegible] ... (کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۶)

کوئی حالت حیض میں ہوتی، اور آپؐ اس سے ہمبستر ہونا چاہتے تو اس کو ازار پہننے کا حکم دیتے، پھر اس سے ہمبستر ہوتے۔ تم میں سے کون شخص، آنحضرتؐ سے زیادہ، اپنے نفس پر قادر ہے (صـ۱۱۱)

تشریح ۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے "وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ"

(پ ۲ س البقرہ۔ آیت ۲۲۳)

اے رسولؐ! تم سے لوگ، حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہدو، یہ ایک گندگی ہے۔ ایام حیض میں عورتوں سے الگ رہو۔ اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان کے پاس نہ جاؤ۔

تشریح: "حتیٰ یطھرن" یہانتک کہ خون حیض منقطع ہو جائے یعنی جب تک خون جاری رہے، مجامعت ناجائز ہے۔

"المعلم" ترجمہ صحیح مسلم ج ۱ صـ۲۳۰ مطبوعہ صدیقی پریس، لاہور میں بھی "جمیع بن عمیر" سے مروی ہے کہ میں اپنی ماں اور خالہ کے ساتھ، حضرت عائشہؓ کے خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آنحضرتؐ اپنی حائضہ بیویوں سے کس طرح مباشرت کرتے تھے؟ فرمایا۔ حضرتؐ، اپنی حائضہ بیویوں کو ازار باندھنے کا حکم دیتے۔ پھر اس کے سینے اور چھاتیوں سے چمٹ جاتے (نسائی ج ا صـ۳۳ باب مباشرۃ الحائض)۔

ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جو شخص حالتِ حیض میں جماع کرے یا عورت کے دُبر میں، وہ اس چیز سے بیزار ہو گیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی یعنی کتابِ خدا (تلخیص ج ۴ صـ۹)

۱۲: نفس پر قابو ہو تو روزہ کی حالت میں بوسہ جائز ہے

پھر پتھر یا ہڈی سے رگڑ دیتے، اور استنجا نہ کرتے تھے (کنز العمال ج ۵ صـ۱۲۷) اصلی حدیث ...

(حاشیہ:) ... حضرت عمر ... پیشاب کی حاجت ہوتی تو اس ... مکان میں ... [illegible]

حضرت عائشہؓ یہ بھی فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ، روزہ رکھتے ہوئے بوس کنار اور جماع کرتے۔ وہ بہ نسبت تمہارے، اپنے نفس پر زیادہ قابو رکھتے تھے (کتاب الصوم حصہ اول ص۳۰۲)

تشریح حضرت عائشہؓ نے اپنے بھتیجے عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکرؓ صدیق سے پوچھا کہ تم روزہ کی حالت میں، اپنی بیوی سے بوس و کنار کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کرتا ہوں۔ (زرقانی شرح موطا۔ ج ۲ ص ۹۲)

"حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے۔ یہ کہکر وہ ہنس پڑیں (زرقانی ص۹۳)

زرقانی نے حضرت عائشہؓ کے ہنسنے کی کئی وجہیں بتائی ہیں:۔

۱۔ ہنسنے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہؐ جس بی بی کا بوسہ لیتے تھے، وہ میں ہی ہوں۔

۲۔ ان کو اس بیان سے سرور حاصل ہوتا تھا، اور آنحضرتؐ کی محبت و الفت یاد آجاتی چنانچہ بیہقی نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ روزہ رکھتے ہوئے، حضرت عائشہ کے بوسے لیتے، اور زبان چوستے تھے (زرقانی ص۹۴)

اگر آج کوئی عورت، ایسے پتہ کی بات بتائے نوجوان اور بوڑھی عورتیں چھاتی پیٹ لیں۔ اسے کہیں، اس کے دیدے کا پانی ڈھل گیا ہے۔ لیکن حرم رسولؐ پر کون انگلی اٹھا سکتا ہے۔ بڑوں کی باتیں خدا ہی جانے۔ کیا یہ حدیثیں، صحیفہ اخلاق میں جگہ پا سکتی ہیں؟

عبرت کے لئے دو ایک خواتین کے حالات نقل کرتا ہوں:۔

ایک دن آنحضرتؐ جناب ام سلمہؓ کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ "سلیم" انصاری اجازت لے کر گھر میں داخل ہوئے، اور سوال کیا کہ کیا عورتوں کو بھی

احتلام ہوتا ہے؟ حضرت ام سلمہ رضی نے ڈانٹ کر کہا۔ مسئلہ پوچھ پوچھ کر عورتوں کو رسوا کرتے ہو؟ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۴۳۲)

جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی غیرت وحیا ملاحظہ ہو۔

ایک بار جناب سرور کائنات نے فاطمہ سے دریافت فرمایا کہ عورت کی سب سے اچھی صفت کونسی ہے؟ سیدہ نے عرض کی کہ عورت کی سب سے اچھی صفت یہ ہے کہ نہ کسی محرم کو دیکھے، اور نہ کوئی نامحرم، اسے دیکھنے پائے (ابو نعیم)

ایک بار عبداللہ بن ابی مکتوم، صحابی، کسی ضرورت سے پیغمبر کو تلاش کر رہے تھے۔ رسول کریم، سیدہ کے گھر تشریف رکھتے تھے، وہ بھی آئے۔ بی بی فاطمہ ان کو دیکھ کر کوٹھری میں چلی گئیں۔ جب وہ کام سے فارغ ہو کر چلے گئے، ہوئے تو سیدہ باہر تشریف لائیں۔ جناب رسول مقبول نے ارشاد فرمایا کہ ابن ابی مکتوم تو نابینا ہیں۔ تم نے کیوں تکلیف کی؟ آپ فرمانے لگیں، ابا جان! وہ نابینا تھے، میں تو اندھی نہ تھی کہ غیر محرم کو دیکھتی رہتی (سیرت فاطمہ)

... کوئی عورت بلا اشد ضرورت، دوسری کو بھی ننگی نہ دیکھے، بلکہ ننگے بدن ایک چادر میں لپٹیں۔ اگر کوئی عورت، اتفاقی ضرورت سے، کسی عورت کو، ننگے بدن دیکھ لے تو اس کے اعضاء، اس کے بدن کی بناوٹ کی نسبت، اپنے خاوند سے کچھ اظہار نہ کرے (سیرت فاطمہ)

آپ نے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ رات کو اٹھایا جائے، اور رات کے وقت بھی جنازہ پر، پردہ (تابوت) ہو اور سوائے بنت عمیس کے کوئی عورت، میری میت کو غسل نہ دے...

علامہ سیوطی نے در تفسیر در منثور، میں حضرت عائشہ کی ایک روایت نقل کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ، ایک چادر میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے اجازت مانگی۔ ان کو اجازت مل گئی۔ انھوں نے اپنی حاجت پوری کی، اور رخصت ہو گئے۔ رسول اللہ اسی طرح چادر میں لیٹے رہے۔ پھر حضرت عمر رضؓ، اجازت لے کر آئے، اور کام سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ آنحضرت اسی طرح چادر میں لیٹے رہے۔ بعد ازاں، حضرت عثمان رضؓ نے اجازت مانگی تو رسول اللہ نے کپڑے درست کئے اور اٹھ بیٹھے۔ پھر اجازت دی۔ جب حضرت عثمان چلے گئے تو میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ ان دونوں کے آنے پر لیٹے رہے، اور حضرت عثمانؓ کے آنے پر کپڑے درست کر کے اٹھ بیٹھے۔ کیا بات ہے فرمایا۔ عثمان باحیا انسان ہے۔ اگر میں اسی حالت میں رہتا تو بلا کام پورا کئے لوٹ جاتے۔

فرمائیے۔ حضرت عثمانؓ باحیا تھے، ان دونوں بزرگوں کو کیا کہا جائے جو پہلے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔

انچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

حیض کے کپڑے کو کھرچ کر اور مل کر پھر اس پر پانی چھڑک کر پاک کرنے کا بیان

اسماء بنت ابی بکر رضؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ حائضہ اپنے کپڑے کو کس طرح پاک کرے؟ آپ نے فرمایا کہ مل دے، پھر اس کو انگلی سے کھرچ کر اس پر پانی ڈال دے اور اس کپڑے میں نماز پڑھ لے (کتاب الوضو جلد اول صفحہ ۶۷

تشریح امام "زیلعی" نے منی کے پاک ہونے کی یہ دلیل دی ہے
"شافعی" منی کو نجس نہیں جانتے کیونکہ حضرت عائشہ نے فرمایا ہے
رسول اللہ کے کپڑے سے منی کو گھس کر چھڑا دیتی تھی پھر آپ اُس
کر نماز پڑھتے، اور دھوتے نہ تھے (زیلعی ص۱)

۱۴:- طلاق کنائی[1]

عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ "جون" کی بیٹی، آنحضرتؐ کی خدمت
لائی گئی۔ جب آپؐ اس کے قریب گئے (اور اس کی طرف ہاتھ بڑھ
تو اس نے کہا۔ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ آپؐ نے فرما
بڑی ذات کی پناہ مانگی ہے۔ اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا (کتا
الطلاق حصہ دوم ص۳۳

۱۵:- دختر جون کا واقعہ

"ابو اسید" نے بیان کیا کہ "جون" کی بیٹی آنحضرتؐ کے پاس لائی
اس کے ساتھ اس کی دایہ بھی خدمت کے لئے تھی۔ رسولؐ نے فر
اپنا نفس مجھے ہبہ کر دے۔ اس نے کہا۔ کیا کوئی شہزادی، اپنا
کسی بازاری کو ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر آپؐ نے اس کی طرف ہاتھ
اور چاہا کہ اس پر ہاتھ رکھ دیں، تاکہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے
کہا۔ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے ابو
اسے سفید کتان کے دو تھان دے کر اس کے گھر والوں کے پاس
(کتاب الطلاق حصہ دوم ص۳۴

تشریح۔ اس کا نام تھا "اسماء بنت نعمین بن جون"۔ یہ قبیلہ
کی تھی۔ "ابو اسید" نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ

---

[1] طلاق کنائی۔ صاف الفاظ ہیں "طلقتک" میں نے تجھے طلاق دی، نہ کہنا، بلکہ
"…" یا "بستر لپیٹو"، اور "چلتی بنو" یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ کہنا۔

ساتھ باغ "سوط" میں گیا۔ وہاں "جونیہ" لائی گئی جو سوار تھی۔ اس کے ساتھ
کی دایہ بھی تھی۔ جب آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے لئے تیار ہو جا، تو اس نے
دیا، اور کہا۔ ملکہ، اپنا نفس فرومایہ انسان کو نہیں دے سکتی۔ آپ نے اس کو
نے کے لئے ہاتھ بڑھایا، تاکہ اس کا غصہ فرو ہو جائے، تو اس نے کہا۔ میں تجھ سے
کی پناہ مانگتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو نے عظیم ہستی کی پناہ ڈھونڈھی۔ پھر
رمایا، ابو اسید! اس کو دو چادریں دے کر، اس کے گھر والوں تک پہنچا دو۔
اس نے آپؐ کو ملکہ اس لئے کہا کہ اہل کندہ کے سردار "نعمان بن ابی الجون"
تھی (مدارج النبوۃ۔ حصہ دوم ص ۶۱۹ تا ۶۲۰

ان احادیث کو پڑھنے کے بعد، ایک غیر مسلم یہ رائے قائم کرنے میں حق بہ
ب ہے کہ (اعوذ باللہ، خاکم بہ قلم) رسول عربی اروا حنا لہ الفدا، نازنینان
اور دلربایان عالم سے دل بہلاتے، اور اسی شغل میں کھوئے رہتے۔
اس صحیفۂ اخلاق کو پڑھ کر، بارگاہِ رسالت میں، کون سر نیاز خم کر سکتا
ایسے خاصے کی چیزوں کو حدیث کہنا، دین اسلام کو منہ چڑھانا ہے۔
وم ہوتا ہے، دیووں اور پریوں کے قصوں کی کتابوں سے کہانیاں
ٹ کر، ان پر حدیث کا غلاف چڑھا دیا، اور "بعد کتاب باری"
رکھ دیا۔ سمجھے دور کی کوڑی لائے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے ابو اسید ساعدی کو "اسما"
لانے کا حکم دیا۔ وہ آئی تو اس کے حسن و جمال کی مدینہ میں دھوم
ی۔ عائشہ رض اور حفصہ رض بنت حضرت عمر رض کو بہت رشک ہوا۔ ظاہری
بت و مہربانی اور چاپلوسی سے اس کو شیشہ میں اتار لیا۔ عائشہ رض
حفصہ سے کہا۔ تم اس کے مہندی لگا دو، اور میں بالوں میں کنگھی کردوں

پھر دونوں نے اس سے کہا، جب آنحضرتؐ خلوت کریں تو کہدینا میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ یہ کلمہ آپؐ کو پسند ہے۔

جب آنحضرتؐ گھر تشریف لائے، اور پردہ ڈال دیا گیا تو آپ نے اس سے ہمبستر ہونا چاہا۔ اس نے ایسا ہی کہا۔ آپؐ فوراً ہٹ گئے۔ لوگوں نے کہا۔ یہ سب کا تانا بانا، آپ کی بیویوں کا ہے۔ انھوں نے اس کا شکار بنا کر اس کو دھوکہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ "اِنَّهُنَّ نصواحب... اِنَّ کَیْدَکُنَّ عظیم" یہ یوسف والیاں ہیں۔ بیشک تمھارا مکر بڑا ہے (اصابہ ج ۴ ص ۲۳۳ مطبوعہ مصر)

دیکھا آپ نے۔ دونوں بیویوں کی ریشہ دوانیوں، اور سازش توڑنے، بات کا بتنگڑ اور رائی کا پہاڑ بنا دیا۔

صید از حرم کشند خم جعد بلند تو
فریاد از تطاول مشکیں کمند تو

"اِنَّهُنَّ لَصَوَاحِبُ يُوسُفَ" یہ رسول اللہؐ کا قول ہے۔ "یہ یوسف والیاں ہیں" "اِنْ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ" "تمہارے چلتر بڑے غضب کے ہیں" (پ ۱۲ س یوسف۔ آیت ۲۸)

"لَصَوَاحِبُ يُوسُفَ" شرح یہ ہے کہ جب حضرت یوسفؑ پر زلیخا کے عاشق ہونے کی شہرت ہوئی تو شہر کی عورتیں چرچا کرنے لگیں کہ اپنے غلام پر ریجھ گئی ہے، اور غلام نے اس پر اپنی محبت کا سکہ جما دیا ہے۔ دراصل اس سے ان عورتوں کا مقصد یہ تھا کہ زلیخا یہ طعنے سن کر اور جھلا کر ہم کو دعوت دے۔ اسی بہانہ، ہم کو یوسف کا دیدار نصیب ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

"فلما سمعت بمکرھن" جب زلیخا نے ان کی مکاری کی باتیں سنیں تو
ان کو دعوت دی۔ وہ ۴۰ عورتیں تھیں۔ انھوں نے یوسفؑ کا دیدار کیا،
اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئیں۔

اسی طرح عائشہ اور حفصہؓ نے "اسما" سے مکر کیا۔ بظاہر اس سے
ہمدردی کی کہ آنحضرتؐ سے ایسا کہنا، وہ خوش ہوں گے، حالانکہ
جانتی تھیں کہ ایسا کہنے سے رسول اللہؐ علیحدگی اختیار کریں گے۔ چنانچہ
ایسا ہی ہوا، اور دونوں کی مراد پوری ہوئی۔

جب رسول اللہؐ شدید بیمار ہوئے، اور حضرت ابوبکرؓ کی پیش نمازی
کا مسئلہ درپیش تھا تو حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ میرے باپ رقیق القلب
ہیں۔ آپ کی جگہ نماز پڑھاتے ہوں گے تو بے قابو ہوکر رونے لگیں گے۔
کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دیجئے۔ اس وقت بھی آنحضرتؐ نے یہی کلمہ
ارشاد فرمایا تھا۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد نے ان الفاظ میں مرقع کشی کی ہے۔
"آپؐ نے عائشہ سے فرمایا کہ نمازی مسجد میں میرے منتظر ہیں۔ میں تو
جا نہیں سکتا۔ اپنے باپ سے کہو کہ میری جگہ امامت کریں۔ عائشہ بولیں
کہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں۔ ان سے آپؐ کی جگہ نماز پڑھاتے نہیں
بن پڑے گی۔ عمر کو ارشاد ہو تو وہ امامت کریں۔ اس پر پیغمبر صاحبؐ نے ناخوش
ہو کر فرمایا "انکن لصواحب یوسف" نہیں، جیسا میں کہتا ہوں،
ابوبکر امامت کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابوبکر نے برابر تین دن امامت کی۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ پیغمبر صاحبؐ نے یہ کیا فرمایا "انکن
لصواحب یوسف" اس کے لفظی معنی تو یہ ہیں کہ تم عورتیں، یوسف والیاں

ہو، لیکن معلوم کرنا چاہیے کہ پیغمبرؑ صاحب نے عائشہ اور ان کی ساتھ والیوں
کو کیا سمجھ کر یوسف والیاں فرمایا۔

یوسفؑ کا قصہ، قرآن کی ایک مستقل سورہ میں موجود ہے، اور یوسف
والیاں زلیخا، اس کی لونڈی باندیاں، اس کی مصاحب (کہ زلیخا کوئی گری
پڑی عورت تو تھی نہیں، عزیز مصر کی بیوی تھی) اور بیبیاں، جنھیں یوسف
کے دکھانے کو زلیخا نے دعوت دی تھی۔ اور پھر انہیں عورتوں نے، بادشاہ
کے آگے، یوسفؑ کی صفائی کی شہادت دی تھی۔

اچھا، پھر عائشہ اور زلیخا سے کیا نسبت کہ پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ کو زلیخا بنا
شراح حدیث نے اس کی کئی توجیہیں کی ہیں، سو ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں۔ خو
سوچ کر ہم ہی نے یہ مطلب نکالا کہ پیغمبرؐ صاحب نے عائشہ کے مطلق چرتر کی طرف
اشارہ کیا۔

قرآن میں زلیخا کے چرتر کو لفظ "کید" سے تعبیر کیا ہے "إِنَّ رَبِّي بِـ
علیم" إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ (بیشک، ان کے چرتروں
میرا پروردگار ہی خوب جانتا ہے۔ یہ بھی تم عورتوں کے چرتر ہیں۔ کچھ شک
نہیں کہ تم عورتوں کے چرتر، بڑے غضب کے ہوتے ہیں۔) "کید" کے معنی
ہیں، مکر، تدبیر، چھل، فریب۔ بہر کیف، کید کے مفہوم میں تدبیر کے سا
چالاکی بھی شامل ہے۔ اسی کو ہمارے یہاں "چرتر" کہتے ہیں، اور ہم نے کید
کا ترجمہ چرتر ہی کیا بھی ہے۔

زلیخا کا چرتر تو قرآن سے معلوم کر سکتے ہو۔ عائشہ کا چرتر یہ تھا کہ وہ
سے تو باپ کی امامت وخلافت ہی چاہتی تھیں، اور پیغمبرؐ صاحب
معلوم تھا، اور اس وقت، ظاہر میں تو باپ کو ناقابل امامت بنایا، مگر باط

ایسی کہی، جس سے ظاہر ہو کہ ابو بکر سے بڑھ کر پیغمبرؐ کا کوئی ہوا خواہ نہیں۔ اس کے یہ معنی کہ ابو بکر سے بڑھ کر کسی کو امامت اور خلافت کا استحقاق نہیں۔ اور یہی تمام صحابہ میں افضل و اولیٰ بالامامۃ والخلافۃ ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہوئی "من چاہے منڈیا ہلائے"! اسی کو ہم چیر تر کہتے ہیں، اور اسی پر پیغمبر صاحب نے عائشہ کو زلیخا سے تشبیہ دی۔

یہ بھی پیغمبر صاحب کا گھر ہے کہ مستورات کی دو چار باتیں کتابوں میں آگئی ہیں انھیں باتوں سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کون، کس مزاج کی تھی (امہات الامۃ)

۱۶:- حبشہ کے لوگوں کا مسجد میں کھیل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر دیکھا۔ جبکہ حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے۔ آنحضرتؐ مجھے اپنی چادر میں چھپائے تھے، اور میں ان کا کھیل دیکھ رہی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے (کتاب الصلوٰۃ۔ حصہ اول صفحہ ۱۰۶)

۱۷:- جنگ کے کھیلوں کے لئے مشق کی اجازت

حبشیوں کے کھیل کے متعلق، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہلے گذر چکی۔ اس روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حبشیوں کو ڈانٹا تو (آپؐ نے فرمایا) "بنو ارفدہ" کو اطمینان سے کھیلنے دو (ابواب العیدین۔ حصہ اوّل۔ صفحہ ۱۸۱)

تشریح

"شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں۔

"حبشی ایک چھوٹا نیزہ رکھتے ہیں۔ جس طرح ہمارے ملک میں پٹہ ہلاتے ہیں، حبشی بھی ایسے ہی کھیلتے ہیں۔ ایک دفعہ عید کے دن، حبشی یہ تماشا دکھلا رہے تھے، حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ آنحضرتؐ آگے کھڑے ہو گئے

حضرت عائشہؓ دوش مبارک پر رخسارے رکھ کر تماشا دیکھنے لگیں۔ ذرا دیر گزر
رہیں یہانتک کہ آپؐ نے فرمایا۔ کیوں، ابھی تک تم سیر نہیں ہوئیں؟ بولیں نہ
آپؐ چپ ہو رہے، یہانتک کہ خود تھک کر ہٹ گئیں" (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۴۲۸)
مسجد تھی یا بانکوں اور پٹے بازوں کا اکھاڑا۔ غالبؔ نے کہا ہے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے

لیکن، یہاں تو، مسجد کے اندر اودھم مچا ہوا ہے۔

لگے ہاتھوں، کھیل کود کا ایک تماشا اور دیکھ لیجئے۔

"ایک دفعہ حضرت عائشہ سے آپؐ نے فرمایا کہ آؤ، تیز قدمی میں مقابلہ
حضرت عائشہ، اس وقت، دبلی پتلی تھیں، آگے نکل گئیں۔ جب سن زیادہ ہو
پُر اندام (موٹی) ہو گئیں تو پھر مسابقت (دوڑنے) کی نوبت آئی۔ اب کی بار
رہ گئیں۔ آپؐ نے فرمایا، یہ اس دن کا جواب ہے" (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۴۲۹)

آیئے، حضرت عائشہ کی گڑیوں کا کھیل بھی دیکھ لیجئے۔ تھوڑی دیر
جی بہل جائے گا۔

"حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ لڑکیاں میرے ساتھ کھیلا کرتیں۔ آنحضرت
تشریف لاتے تو شرم اور خوف سے بھاگ جاتیں۔ آنحضرتؐ اُن کے پیچھے جا
کو واپس لاتے۔ وہ پھر، میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔

ایک دن رسول اللہؐ تشریف لائے تو میں نے اپنی گڑیاں، کمرے میں
پردہ گرا دیا۔ ہوا سے پردہ ہٹا تو آپؐ نے گڑیاں دیکھ لیں۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟
کہا، میری بیٹیاں یعنی میری گڑیاں ہیں۔

گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا۔ کپڑوں سے اس کے دو پر بنے تھے۔ آنحضرت
یہ کیا ہے؟ میں نے کہا، گھوڑا ہے۔ پھر پروں کو پوچھا۔ میں نے کہا، دو پر ہیں۔

گھوڑے کے پر نہیں ہوتے، میں نے کہا، کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر تھے۔ یہ سنکر آپؐ نے اس طرح تبسم فرمایا کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے، اور فضا کو باغ و بہار بنا کر نشاط حیات تازہ کر دیا۔" (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۷۰۲)

شمس العلماء ڈپٹی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم، ایل ایل۔ ڈی تحریر فرماتے ہیں۔ "عائشہ میں دو باتیں خاص تھیں۔ وہ عمر کے اعتبار سے بچی تھیں، اور ان کے کھیلنے کھانے کے دن تھے۔ اس وجہ سے پیغمبر صاحب کا برتاؤ بھی، ان کے ساتھ خاص طرح کا تھا کہ ان کے ساتھ، گڑیاں کھیلنے کے لئے، انصار کی لڑکیوں کو بلا بھیجے۔ ان سب باتوں کو عائشہ، اپنے دل سے، اس پر محمول کرتیں کہ زمرۂ معتوراتؔ میں، پیغمبر صاحب کو، وہی سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی خیال سے وہ بر خود غلط بھی ہو گئی تھیں۔ دوسری امہات المومنین سے، اپنے تئیں، برتر سمجھتی تھیں، جس کا ان کو، کوئی حق نہ تھا۔" (امہات الامۃ)

۱۸:- عید کے دن لونڈیوں کا گانا بجانا

حضرت عائشہؓ نے کہا۔ (عید کے دن) میرے گھر میں، دو لونڈیاں "بُعاث" کا گانا گا رہی تھیں۔ اتنے میں آنحضرتؐ تشریف لائے، اور بستر پر لیٹ کر منھ پھیر لیا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ آئے، اور مجھے جھڑکتے ہوئے کہنے لگے، شیطان کا گانا، اور رسولؐ کے سامنے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اِن سے نہ بولو۔ جب آپؐ غافل ہوئے تو میں نے اشارہ کیا، اور دونوں چلی گئیں (ابواب العیدین۔ حصۂ اوّل ص ۱۴۷)

۱۹:- رخصت دلہن کے وقت لہو ولعب کی اجازت

حضرت عائشہؓ نے روایت کی کہ ایک انصاری کی شادی، ایک عورت سے

"بعاث" ایک قلعہ کا نام تھا، جہاں دو "اوس" اور دو "خزرج" میں ۱۲۰ سال تک جنگ جاری رہی۔ رسولِ خداؐ کی برکت سے ان میں صلح ہو گئی۔

ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے رخصت کیا۔ آنحضرتؐ نے عائشہ سے کہا۔ کیا تمہارے
پاس، گانے بجانے، اور تماشے کا سامان نہ تھا؟ (تم کو یہ سامان دینا چاہئے تھا)
کیونکہ، انصار، ان چیزوں کو، بہت پسند کرتے ہیں (کتاب النکاح۔ حصہ دوم)
تشریح ۔ دف، بانسری اور گانے کے ذریعہ، نکاح کا اعلان، مستحب ہے
(نزل الابرار۔ ج ۲ ص ۳ ملا محمد بن معتمد خاں بدخشی)

۲۰: حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے حضرت عائشہ کی غیرت کا بیان

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے ازواج رسولؐ میں سے کسی پر اتنا رشک
نہیں کیا، جتنا خدیجہ رضؓ پر، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں۔ آنحضرتؐ اکثر
کا ذکر کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بکری ذبح کر کے، اس کا گوشت، خدیجہ رضؓ کی سہیلیوں
بھیجا کرتے۔ میں اکثر ان سے کہا کرتی۔ کیا دنیا میں خدیجہ رضؓ کے سوا، کوئی عورت
جو آپؐ ہمیشہ، ان کی تعریف کے پل باندھے رہتے ہیں؟ اور کہتے ہیں کہ خدیجہ
میرے اولاد ہوئی (فضائل اصحاب النبیؐ۔ حصہ دوم ص ۱۶۸)

۲۱: حضرت خدیجہ کیساتھ آپکی محبت دیکھ کر حضرت عائشہؓ کا غیرت میں

حضرت عائشہ رضؓ سے منقول ہے۔ خدیجہ رضؓ کی بہن "ہالہ بنت خویلد" نے
سے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت کو خدیجہ رضؓ کی آواز یاد آگئی تو آپ
تھرتھرانے لگے۔ پھر کہا۔ خداوندا! یہ ہالہ ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ مجھے
ہوا۔ میں نے عرض کی۔ آپؐ کیا اس بڑھیا کا ذکر کرتے ہیں، جس کا منہ (دانت
کی وجہ سے) سرخ نظر آتا تھا۔ اب تو وہ دنیا میں ہے بھی نہیں۔ اللہ نے
بہتر جوڑی، آپؐ کو دی ہے (وہ میں ہوں) (ص ۱۶۹)
تشریح۔ مولوی نذیر احمد صاحب فرماتے ہیں۔

"عائشہ، سوکنوں کے بارے میں، اس قدر حد سے بڑھ چلی تھیں کہ پیغمبر صاحب، خدیجہ رضی کا ذکر خیر کرتے ہوئے تو کہتیں کہ میرے سامنے کیا اس بوڑھی ... بکش کے مرنے کا افسوس کیا کرتے ہیں۔ خدا نے تم کو اس سے بہتر بی بی دی ... یعنی میں۔

بھلا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ یہ فاطمہ اور علی کے ساتھ خاطر مدارات سے پیش آتی ہوں گی۔ مگر ہاں، یوں کہو کہ پیغمبر صاحب کی زندگی میں، ان کی عنایت ... کے ہوتے، علی اور فاطمہ کو عائشہ کی یا کسی کی پرواہ ہی کیا تھی۔"

(... الامت) ص ۴۲

۴۱۔ ایک شخص کا رسولؐ کو کچھ آیات یاد دلانا جن سے آپؐ کو نسیان ہو گیا تھا یا ہونا

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے مسجد میں ایک شخص کو قرآن ... سنا۔ آپؐ نے فرمایا، خدا اس پر رحمت نازل کرے۔ میں فلاں فلاں سورہ ... فلاں فلاں آیتیں بھول گیا تھا، اس نے مجھے یاد دلا دیا (کتاب الشہادت۔ ... دوم ص ۲)

تشریح:۔ رسول اللہ پر قرآن نازل ہوا، لیکن آپؐ بھول گئے۔ آپؐ کو بالکل ... رہا۔ کیونکہ، اللہ نے آپؐ کے دل سے اس کو اٹھا لیا (شرح اصول بزدوی ... ۲ ص ۱۸۸)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ کوئی شخص دعوے نہیں کر سکتا کہ اس نے پورا قرآن ... اسے کیا خبر، کہ پورا قرآن کیا ہے؟ کیونکہ اس کا زیادہ حصہ غائب ہو گیا ... (اتقان ص ۳۱۶)

... عنایت کی ہے۔" رسول خدا کی پیشانی پر بل آ گیا، تیوری بدل کر اور غضبناک ہو کر فرمایا

[illegible]

جب رسولؐ ہی قرآن بھول گئے تو کس سے قرآن کی تعلیم حاصل کریں۔

جیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

۲۳:۔ جمعہ کی اذان ثانی بزمانہ عثمان غنی زیادہ ہوئی

سائب بن یزید نے بیان کیا کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں، روز جمعہ، جب امام منبر پر بیٹھتا تھا تو اس کے پہلے اذان دی جاتی تھی۔ یہی دستور، حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں رہا۔ لیکن خلافت عثمان میں لوگوں کی کثرت ہوگئی تو مقام "زوراء" میں تیسری اذان زائد کر دی (کتاب الجمعہ۔ حصہ اول صفحہ ۱۶۲)

۲۴:۔ مسح موزہ کا بیان

مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ میں ایک سفر میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھا۔ آپؐ نے وضو کا ارادہ کیا تو میں ڈالنے لگا۔ آپ نے پہلے منہ پر پانی ڈالا، پھر دونوں ہاتھوں پر۔ بعد ازاں سر کا مسح کیا، اور پھر دونوں موزوں پر پیروں کا مسح کیا (کتاب الوضو حصہ اوّل صفحہ ۶)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔ لوگوں نے پیروں کے مسح کے بجائے دھونا شروع کیا تو ابن عباسؓ نے منع کیا، اور فرمایا۔ قرآن میں پیروں کے مسح کا حکم ہے

(تفسیر در منثور ج ۲ صفحہ ۲۶۲)

رفاعہ بن رافع سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھ کر اس کو ٹوکا۔ پھر فرمایا۔ پہلے منہ دھوؤ۔ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک۔ بعد ازاں سر اور دونوں پیروں کا مسح کرو (مسند احمد بن حنبل۔ ج ۱ صفحہ ۵۹ مطبوعہ مصر بار دوم بحوالہ دار قطنی)

۲۵:۔ رفع یدین (نماز میں تکبیر کیلئے دونوں ہاتھ اٹھانا)

عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ، نماز میں تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھ

کندھوں کے برابر اٹھاتے تھے۔ رکوع کے لئے اللہ اکبر کہتے۔ رکوع سے سر اٹھاتے تو ایسا ہی کرتے، اور "سمع اللہ لمن ربنا لک الحمد" کہتے۔ سجدہ میں ایسا نہ کرتے تھے۔ (کتاب الاذان ص۱۰۲)

۲۶:- نماز میں اٹھتے بیٹھتے تکبیر پڑھنا۔

عمران بن حصین ناقل ہیں کہ حضرت علیؑ نے بصرہ میں اس طرح نماز پڑھائی کہ رسولؐ کی نماز یاد آگئی۔ اسی طرح رسول اللہؐ نماز پڑھاتے تھے۔ حضرت علیؑ اٹھتے اور بیٹھتے کے وقت تکبیر کہتے (کتاب الاذان ص۱۵۵)

تشریح: مطرف کا بیان ہے کہ میں نے اور عمران بن حصین نے، حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی۔ علیؑ سجدہ کے وقت تکبیر کہتے تھے، اور سجدہ سے سر اٹھا کر بھی تکبیر کہتے۔ نماز کے بعد، عمران نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بیشک، انھوں نے رسولؐ کی نماز پڑھائی (صحیح مسلم۔ ج ۱ ص۱۶۹)

زہری کا بیان ہے کہ ہم، انس بن مالک کے پاس دمشق گئے تو ہم نے دیکھا رو رہے ہیں۔ رونے کا سبب پوچھا تو بتایا کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانے کی کوئی بات نہیں پاتے۔ نماز تھی، وہ بھی ضائع کر دی گئی (صحیح بخاری۔ ج ۱ ص۴۹)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں ظہر و عصر، اور مغرب و عشاء کی نماز ساتھ پڑھائی۔ یعنی جمع بین الصلوٰتین۔ بغیر کسی خوف، اور بارش و سفر کے (کتاب العلل ج ۲ ص۲۴۶)

دمشق میں معاویہ اور ان کے پیرو نماز پڑھاتے تھے۔

معاویہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی تو بسم اللہ، اور بعض تکبیریں اڑا گئے۔ لوگوں نے اعتراض کیا تو کوئی پرواہ نہ کی، اور نہ نماز کا اعادہ کیا (کنز العمال۔ ج ۴ ص۲۱۰)

۲۷- نمازی کے آگے پاؤں نہ پھیلاؤ۔

حضرت عائشہ نے فرمایا۔ میں آنحضرتؐ کے سامنے سو جاتی، اور میرے دونوں پیر قبلہ کی طرف ہوتے تھے۔ جب آپؐ سجدہ میں جاتے تو اشارہ فرماتے میں پاؤں سمیٹ لیتی۔ جب کھڑے ہوتے، پھر پھیلا دیتی۔ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے، جب گھروں میں چراغ نہ تھے (کتاب الصلوٰۃ۔ حصہ اول صفحہ ۹۵)

تشریح۔ تعجب ہے کہ رسول اللہؐ نے، قبلہ کی طرف، پیر کر کے سونے کو منع نہ فرمایا۔ اور اندھیرے میں اشارہ کیسے نظر آتا تھا، سوا اس کے کہ ہاتھ یا پیر سے اشارہ کریں۔ اس صورت میں توجہ الی اللہ میں فرق آتا ہے۔

۲۸:۔ لیٹے ہوئے آدمی کی طرف نماز جائز ہے۔

حضرت عائشہؓ نے یہ بھی کہا کہ جب آنحضرتؐ، نماز پڑھتے تو میں ان کے اور قبلہ کے درمیان، اپنے بستر پر اس طرح لیٹی رہتی تھی، جیسے جنازہ رکھا رہتا ہے

۲۹:۔ آپؐ کا نماز کے اندر بچوں کا بہلانا۔

ابو قتادہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ، نماز پڑھتے تو اپنی نواسی "امامہ" بنت زینب کو گود میں لئے رہتے۔ "امامہ" بیٹی تھیں "ابو العاص بن ربیع بن عبد شمس" کی۔ آپؐ سجدہ میں جاتے تو گود سے اتار دیتے اور کھڑے ہوتے وقت، پھر اٹھا لیتے (کتاب الصلوٰۃ۔ حصہ اول صفحہ ۱۱۸)

تشریح بچے کو ہاتھوں پر یا گود میں اٹھائے رہنے سے، نماز باطل نہیں ہوتی (نزل الابرار۔ ج ۱، صفحہ ۳۰)

۳۰:۔ ایک بار جماعت کے وقت آپؐ کا غسل جنابت کو یاد فرمانا

ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ نماز کے لئے جماعت کھڑی ہو گئی، اور صفیں درست ہو گئیں تو رسول اللہؐ، تشریف لائے۔ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو یاد آیا کہ جنابت (ناپاکی) کی حالت میں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، ٹھہرو۔ پھر جا کر غسل کیا۔ آئے تو سر سے پانی

رہا تھا۔ پھر آپؐ نے تکبیر کہی، اور ہم نے آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی (کتاب الغسل حصہ اول صفحہ ۵۳)

۲۱: حضرت عثمان غنی رضؓ کی ابتداء خلافت ۹ تک صحابہ کا منیٰ میں قصر اور بعد میں اتمام

عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں، رسول اللہؐ، نیز حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی ابتداء خلافت میں، حضرت عثمانؓ کے ساتھ، منیٰ میں دو رکعتیں پڑھتا تھا۔ پھر عثمان نے، پوری چار رکعت کر دی (ابواب تقصیر الصلوٰۃ۔ حصہ اول صفحہ ۱۹۱)

۲۲: حضرت عثمان کے منیٰ میں اتمام کرنے پر ابن مسعودؓ کا اناللہ پڑھنا۔

عبداللہ بن مسعود سے کہا گیا کہ عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں تو انہوں نے کہا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پھر کہا۔ میں نے رسول اللہؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ کاش!! چار رکعتوں کے مقابلہ میں میری دو رکعتیں مقبول ہو جائیں (صفحہ ۱۹۱)

تشریح: حضرت عثمان رضؓ کو، نماز میں اضافہ کا اختیار کس نے دیا؟ دو رکعت کی نماز کو چار رکعت کر دینا، بدعت ہے۔ اور ہر بدعت، ضلالت و گمراہی ہے۔

۲۳: عید کی نماز کا خطبہ نماز کے بعد مسنون ہے۔

ابوسعید خدری، راوی ہیں کہ رسول اللہؐ، عید اور بقر عید کے دن، عید گاہ تشریف لے جاتے۔ سب سے پہلا کام یہ کرتے کہ نماز پڑھاتے۔ اس سے فارغ ہو کر، لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے، اور وعظ و نصیحت فرماتے، پھر ان کو، کسی کام کا حکم دیتے۔ لوگ اسی طرح، صف میں بیٹھے رہتے۔ اس کے بعد، آپؐ گھر تشریف لاتے۔ ہمیشہ یہی دستور رہا۔ جب مروان حاکم مدینہ ہوا تو میں عید یا بقر عید کے دن، اس کے ساتھ، عید گاہ گیا۔ مروان نے نماز سے قبل، اس منبر پر جانے کا ارادہ کیا، جس کو، کثیر بن صلت "نے بنایا تھا۔ میں نے اس کا دامن پکڑا تو، اس نے جھٹک دیا، اور نماز سے

قبل ،منبر پر خطبہ پڑھنے لگا۔

میں نے مروان سے کہا۔ خدا کی قسم!! تم نے شریعت بدل ڈالی۔ مروان نے کہا۔ ابو سعید! تمہارا علم بالکل جاتا رہا۔ میں نے جواب دیا۔ میرا جاننا بہتر ہے، نہ جاننے سے۔ مروان نے کہا۔ لوگ نماز پڑھنے کے بعد، خطبہ سننے کے لئے رکتے نہیں چلے جاتے ہیں، لہٰذا، میں پہلے ہی، خطبہ پڑھ دیتا ہوں (ابواب العیدین۔ ر حصہ اول صہ ۱۲۹)

تشریح - حافظ ابن حجر نے ابن منذر سے روایت کی ہے کہ لوگ، مروان کا خطبہ، اس لئے نہ سنتے تھے کہ وہ خطبہ میں، حضرت علیؑ پر، تبرا کہتا تھا (فتح الباری شرح بخاری :۔ ذکر مروان)

۱۴ - امت محمدیہ کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے صادق مصدوق، جناب رسولِ خداؐ کو فرماتے سنا کہ، میری امت کی ہلاکت، قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اگر چاہوں تو ان کے نام بھی بتا دوں۔ فلاں فلاں آدمی کے لڑکے ہونگے (قصہ اسلام ابی ذر حصہ دوم صہ ۱۷۰)

تشریح - حدیث رسولؐ ہے۔ اس دین کی آفت بنی امیہ ہیں۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے خواب دیکھا کہ بنی امیہ، منبر پر چڑھ رہے ہیں، تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّا اعطیناک الکوثر" (تاریخ الخلفا، صہ ۹ مطبع مجیدی۔ کانپور)

حضرت عثمانؓ بھی بنی امیہ سے تھے۔ انھوں نے دو رکعتی نماز کو چار رکعت کیا۔ معاویہ نماز میں بسم اللہ، اور کئی تکبیریں اڑا گئے۔ مروان نے عیدین میں نماز سے قبل خطبہ پڑھا۔

یزید کا کارنامہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ "سید الشہدا امام حسین علیہ السلام اور یزید"
ملاحظہ ہو۔

۴۵:۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؐ کو بہت پیارے تھے۔

براء ابن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر امام حسنؑ
سوار دیکھا۔ آپؐ دعا فرما رہے تھے۔ الہیٰ! میں حسنؑ کو دوست رکھتا ہوں، تو بھی
اس کو دوست رکھ (فضائل اصحاب النبی۔ حصہ دوم ص ۱۶۱)

تشریح: "ترمذی" نے روایت کی ہے کہ رسالتمآبؐ نے حسنین علیہما السلام
کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ جو مجھے اور ان دونوں کو دوست رکھتا ہے، اور ان دونوں کو، اور ان
کے ماں باپ کو، بروز قیامت، میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا (سر الشہادتین ص ۱۵)

۴۶:۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبیؐ سے مشابہ تھے۔

عقبہ بن حارث ناقل ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نماز عصر پڑھ کر باہر نکلے تو امام
حسنؑ کو بچوں کے ساتھ کھیلتا پایا۔ آپؓ ان کو کندھے پر بٹھا کر کہنے لگے۔ میرے ماں باپ
آپؑ پر فدا ہو جائیں۔ آپؑ، نبیؐ سے زیادہ مشابہ ہیں، نہ کہ علیؑ سے۔ اور
حضرت علیؑ ہنس رہے تھے (فضائل صحابہ، اصحاب النبی ص ۱۳۶)

۴۷:۔ حضرت حسن سے زیادہ آپؐ سے کوئی مشابہ نہ تھا۔

انس بن مالک سے روایت ہے کہ امام حسنؑ کے برابر، کوئی نبیؐ سے مشابہ نہ
تھا (۔۔۔ ص ۱۶۱)

تشریح: ترمذی نے جناب امیرؑ سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ امام حسنؑ، سر سے
سینہ تک اور امام حسینؑ، سینہ سے قدم تک، رسولؐ سے مشابہ تھے (سر الشہادتین ص ۲۲)

۴۸:۔ اہل عراق نے مکھی مارنے کا مسئلہ دریافت کیا اور حضرت حسینؑ کے خون کو حلال جانا

سر کے بال گھنے اور گھنگھریالے، جسم گداز، شانے چوڑے۔ داڑھی گھنی۔ صراحی دار گردن (دائرۃ المعارف لبستانی ج ۷ ص ۳۳ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۰۱ میں ہے کہ امام حسنؑ شکل و صورت میں، رسولؐ کے مشابہ تھے ہی، اخلاق و سیرت (باقی صفحہ پر)

"کسی نے عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں، مکھی مارنا جائز ہے کہ نہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ اہل عراق، مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھتے ہیں، حالانکہ انھوں نے رسولؐ کے نواسے کو شہید کر ڈالا۔ رسولؐ اللہ نے اپنے دونوں نواسوں کے واسطے فرمایا تھا، یہ دونوں، میرے دو پھول ہیں (فضائل اصحاب النبی۔ حصہ دوم ص ۱۹۸)

"مشکوٰۃ" میں بھی یہ حدیث ہے ص ۱۴۳)

تشریح ۔ اس مسئلہ کو حدیث سے کیا واسطہ؟ رسولؐ کے قول کو حدیث کہتے ہیں نہ کہ ابن عمر کے قول کو فاعتبروا یا اولی الالباب۔

۴۹:۔ عورت کو قبر میں مرد صالح کا اتارنا

انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کی صاحبزادی کی موت کے وقت، موجود تھے۔ آپؐ قبر پر بیٹھے گریہ فرما رہے تھے۔ آپؐ نے پوچھا، تم میں کوئی ایسا ہے، جس نے آج رات ہمبستری نہ کی ہو۔ ابو طلحہ نے کہا، میں ہوں یا رسولؐ اللہ! آپؐ نے حکم دیا، تم لاش کو قبر میں اتارو (باب فی الجنائز۔ حصہ اول ص ۲۱۲)

تشریح ۔ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے، جب آنحضرتؐ کی پروردہ دختر "ام کلثوم" زوجہ عثمانؓ کی وفات ہوئی۔

بعض شارحین بخاری نے کہا ہے کہ حضرتؐ کا یہ فرمانا، عثمان سے تعرض کرنا تھا کیوں کہ انھوں نے موت کی رات ایک کنیز سے جماع کیا تھا (مدارج النبوۃ حصہ دوم ص ۵۸۸)

حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔ ثابت کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا آج رات، جس نے اپنی اہلیہ سے ہمبستری کی ہو، وہ قبر میں نہ داخل ہو۔ (یہ سنکر) عثمان پیچھے ہٹ گئے (فتح الباری۔ ج ا ص ۶۶۷)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ حضرت عثمان کہا کرتے کہ مجھے عورتوں کا عشق بہت تھا

نبوۃ: ملا علی متقی فرماتے ہیں۔ رسولؐ کا ارشاد ہے "حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں میری جرأت...

میں ایک روز قریش کے ساتھ، صحن کعبہ میں بیٹھا تھا تو معلوم ہوا کہ محمدؐ نے اپنی پروردہ
لڑکی "رقیہ" کا عقد "عتبہ بن ابو لہب" کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ وہ نہایت حسین و
جمیل تھیں، اس لئے حسرت، میرے دل میں چٹکیاں لینے لگی کہ میں نے سبقت کیوں
نہ کی کہ مجھ کو مل جاتیں (خصائص کبریٰ۔ ج ۱ صـ۱۳۱)

۴۰: میت کی طرف سے صدقہ کا ثواب

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ میری ماں
مر گئی۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ بول سکتی تو صدقہ کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ
کروں تو اس کو ثواب ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا، ضرور (باب فی الجنائز۔ حصہ اول صـ۲۳۰)
تشریح۔ شیخ عبدالعزیز مرحوم صدیقی، محدث دہلوی سے نذر و نیاز اور صدقہ
کی بابت، استفتاء کیا گیا۔ آپ نے فرمایا۔

"نذر" وہ ہے کہ کھانا کھلا کر، اور مال خرچ کر کے، میت کی روح کو ثواب
پہنچایا جاتا ہے۔ یہ امر باعث ثواب ہے، اور حدیث سے ثابت ہے، اور وفا نذر
واجب ہے" (فتاوائے عزیزی صـ۱۲۸)

"جو لوگ کھانے پینے کی چیزوں پر، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا فاتحہ دیتے
ہیں، وہ کھانا تبرک ہو جاتا ہے" (فتاوائے عزیزی صـ۱۲۹)

۴۱:۔ آپکے دندانِ مبارک کی شہادت

ابو ہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ، اپنے دندان مبارک کی طرف
اشارہ کر کے فرماتے تھے۔ اللہ کا قہر اس جماعت پر، جس نے اپنے نبیؐ کے ساتھ ایسا
برتاؤ کیا۔ اللہ کا شدید غضب اس شخص پر، جس کو اللہ کا رسولؐ، خدا کی راہ میں
قتل کرے (غزوہ احد۔ حصہ دوم صـ۲۰۳)

۴۲:۔ رسولؐ خدا کا علاجِ زخم

سہل بن سعد ساعدی سے پوچھا گیا کہ رسولؐ خدا کے زخم کا علاج کس طرح کیا گیا۔ جواب دیا کہ اس امر کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ حضرت علیؑ، اپنی ڈھال میں، پانی لاتے تھے، اور جناب فاطمہؑ، آپؐ کے چہرہ سے خون دھو رہی تھیں۔ پھر چٹائی جلائی گئی، اور (اس کی راکھ سے) آپؐ کا زخم بھر گیا۔

(کتاب استیذان حصہ دوم ص)

تشریح - یہ واقعہ، جنگ "اُحُد" کا ہے جو روز شنبہ، ۱۴ شوال سنہ ۳ ہجری ۲۹ مارچ ۶۲۵ء بہ مقام کوہ "اُحُد" واقع ہوئی۔ یہ پہاڑ، مدینہ سے ۶ میل کے فاصلہ پر تھا۔ چونکہ قریب میں کوئی پہاڑ نہ تھا، اس لئے اس کو "اُحُد" کہتے تھے۔

(تفصیل کے لئے "دشمنان اہلبیتؑ" میں قصۂ ہند، ملاحظہ ہو)

آنحضرتؐ نے اس طرح پرا جمایا کہ پشت پر کوہ "اُحُد" اور سامنے مدینہ۔ پہاڑ میں، ایک درہ تھا، جس سے اندیشہ تھا کہ دشمن پشت سے حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے رسولؐ اللہ نے "عبداللہ بن جبیر" کو ۵۰ تیر اندازوں کا افسر مقرر کر کے حکم دیا شکست ہو یا فتح، تا حکم ثانی جگہ نہ چھوڑنا۔

کفار نے بھی صف آرائی کی۔ "ابو عامر" ۵۰ آدمیوں کے ساتھ نکلا۔ تیر اندازی ہونے لگی۔ کفار قریش، پتھر مارتے تھے۔ لشکر اسلام نے منہ توڑ جواب دیا۔ لڑائی نے گھونگھٹ کھایا، اور فوج کفر کو ہزیمت ہوئی۔

اس کے بعد "طلحہ بن ابی طلحہ"، قریش کا صاحب لواء، میدان میں آیا۔ رجز خوانی کی۔ مقابلہ کے لئے شیر بیشۂ ہیجا، ہژبر میدان وغا، علیؑ مرتضےٰ نکلے۔ ایسی تلوار ماری کہ مغز سر تک دراتی۔ آپؐ اپنے لشکر میں واپس آئے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کا سر کیوں نہ قلم کر لیا؟ فرمایا۔ وہ برہنہ ہو گیا۔ مجھے قسم دی کہ تو۔ مجھے شرم آئی، اور چھوڑ دیا۔ عنقریب مر جائے گا۔

پھر گھمسان کا رن پڑا، اور کانٹے کی تول لڑائی شروع ہو گئی۔ خون کی وہ آگ بھڑکی کہ الہیٰ توبہ۔

لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

ہر طرف، خون میں لوٹتی ہوئی لاشیں، رقص بسمل کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ آخر، کافروں کے پیر اکھڑ گئے۔ جو عورتیں گاتی، اور دف بجاتی تھیں، نوحہ و ماتم کرنے لگیں، اور پائنچے اٹھا کر بھاگیں۔ مسلمان لوٹ مار میں لگ گئے۔ گھاٹی کے تیر اندازوں نے دیکھا تو وہ بھی مال غنیمت کی لالچ میں، چل پڑے۔ "عبداللہ بن جبیر" نے ہر چند روکا، مگر نہ رکے۔ صرف چند آدمی رہ گئے۔

"خالد بن ولید"، گھاٹی کے پیچھے سے کئی مرتبہ حملہ کر چکے تھے، لیکن تیراندازوں کے سامنے منہ کی کھانی پڑی تھی، اب جو میدان صاف پایا تو عقب سے ایسا حملہ کیا کہ "عبداللہ" اور ان کے چند ساتھی، وہیں کھیت رہے۔ پھر کفر نے اسلام پر ہلہ بول دیا۔

مسلمانوں میں وہ افراتفری پھیلی کہ توبہ بھلی۔ خود مسلمان، ایک دوسرے کی گردن ناپنے لگے۔ حضرت "خدیفہ" کے باپ "یمان" مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ ہر چند "حذیفہ"، چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں، لیکن اس ہنگامۂ دار و گیر، اور شور محشر میں کون سنتا ہے۔ "اُسید بن حضیر" اور "ابو بردہ" کو مسلمانوں نے زخمی کیا۔ مسلمان، میدان چھوڑ کر ایسا بدحواس بھاگے کہ رسولؐ پکارتے رہے، لیکن، سننا تھا نہ سنا۔ قرآن مجید نے ان الفاظ میں، منظر کشی کی ہے۔

"اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ۔" (پ ۴ س آل عمران آیت ۱۵۳)

(مسلمانو! اس وقت کو یاد کر کے شرماؤ) جب تم (بدحواس) پہاڑ پر بھاگے

مسلمانوں کے خوف کا یہ عالم تھا کہ کہتے تھے۔ کاش، ہم کو کوئی ایسا شخص مل جاتا، جسے ہم "عبداللہ بن اُبی" (منافق) کے پاس بھیجتے کہ وہ ابوسفیان سے ہمارے لئے امان حاصل کرتا (تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۹)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"حضرت علیؑ نے فرمایا۔ جب اہل اسلام، رسولؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو میں نے تلوار کھینچ لی، اور دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ پرے کے پرے صاف کر دیئے۔ رسولؐ کا غصہ میں یہ حال تھا کہ پیشانی مبارک سے مثل مروارید، پسینہ ٹپک رہا تھا۔ ناگاہ پہلو میں مجھے کھڑا پایا۔ فرمایا۔ علیؑ! تم بھی ساتھیوں کے ساتھ نہ بھاگ گئے۔ میں نے عرض کی "کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاؤں؟۔ میں آپ کا پیرو ہوں۔ مجھے ساتھیوں سے کیا واسطہ"؟ (حضرت علیؑ جنگ سے بھاگنا، کفر جانتے تھے) اسی اثناء میں کفار نے آنحضرتؐ پر حملہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ علیؑ! میری مدد اور نصرت کرو۔ میں نے دفاع کر دیا، اور وہ تتر بتر ہو گئے۔ جبرئیلؑ نے کہا، یا رسول اللہ! علیؑ کی ہمدردی اور غمگساری، ملاحظہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا، کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہے، اور میں علیؑ سے ہوں۔ جبرئیلؑ نے کہا۔ اور میں، آپ دونوں سے ہوں۔ ناگاہ، ہاتف غیبی کی آواز آئی۔ "لا فتیٰ الّا علیؑ لا سیف الّا ذو الفقار" علیؑ کے سوا کوئی بہادر نہیں، اور ذوالفقار کے سوا، کوئی تلوار نہیں۔ رسولؐ نے فرمایا۔ علیؑ! فرشتہ آسمانی "رضوان"، سے اپنی مدح سن رہے ہو؟ جو کہہ رہا ہے "لا فتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذو الفقار"۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۷-۱۶۸)

شاہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں "نادِ علیاً مظہر العجائب" کی آواز اسی میں سنی گئی۔ ص ۱۶۸

یہی اسباب ہیں کہ آپؑ کی شہرت شجاعت، ضرب المثل کی حد تک پہنچ

حضرت علیؑ نے فرمایا: "جنگ احد میں مجھے ۱۶ زخم لگے۔ ۴ زخم کاری تھے، جن کے صدمے سے میں زمین پر گر پڑتا تھا۔ ہر مرتبہ ایک خوبصورت انسان، میرا بازو پکڑ کر اٹھاتا، اور کہتا تھا: کافروں پر حملہ کرو۔ تم خدا و رسولؐ کی اطاعت میں مصروف ہو۔ دونوں تم سے راضی و خوشنود ہیں۔

میں نے جنگ سے فارغ ہو کر، آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے پہچانا، وہ کون تھا؟ عرض کی نہیں۔ لیکن وہ "دحیہ کلبی" سے مشابہ تھا۔ فرمایا: خدا تمہاری آنکھوں کو روشن کرے، وہ جبرئیلؑ تھے۔" (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۱۶۴)

"سعد بن ابی وقاص" کے بھائی "عتبہ بن وقاص" نے، آپؐ کے دندان مبارک شہید کر دیئے۔ "ابن قمیہ" نے اتنے پتھر مارے کہ رخسار مبارک، لہولہان ہو گیا۔ خود کے حلقے، رخسار میں دھنس گئے۔ پیشانی پر چوٹ آئی، جس سے خون جاری ہو گیا، اور ریش مبارک، خون سے تر ہو گئی۔ آپؐ چادر سے خون صاف کرتے، اور فرماتے تھے۔ وہ امت کیسے نجات پائے گی، جس نے اپنے نبیؐ کے ساتھ، یہ برتاؤ کیا، حالانکہ وہ ان کو خدا کی طرف بلا رہا تھا۔ (صفحہ ۱۶۵)

جب دونوں لشکر، گتھم گتھا ہو گئے تھے تو شیطان نے آواز دی تھی، "محمدؐ قتل ہو گئے"۔ یہ آواز، مدینہ کے گھر گھر پہنچی۔ جناب فاطمہؑ، آواز سنتے ہی، سر پیٹتی اور روتی، میدان احد میں جا پہنچیں۔

روایت ہے کہ حضرت علیؑ ڈھال میں پانی لاتے تھے، اور جناب سیدہ، دھوتی تھیں۔ خون نہ تھمتا تو بوریے کا ٹکڑا جلا کر، راکھ زخم پر رکھ دی۔ خون بہنا بند ہو گیا (صفحہ ۱۶۷)

اب ذرا "ہمنام" کے عندلیب قلم کی نغمہ سرائی سنئے معلوم ہوتا ہے۔
بلبل چہک رہا ہے ریاض رسولؐ میں

اس میں شبہ نہیں کہ قلم کی شوخی، کہیں کہیں بڑھ کر، چلبلے پن کی حد کو پہنچ
گئی ہے، اور پردے کی باتیں، زبان قلم پر، بے پردہ ہو کر آ گئی ہیں۔ سخنہائے
ناگفتنی، گفتنی ہو گئیں۔ مگر، کیا کیا جائے۔ رازہائے درون پردہ کی پردہ داری
نہ کی جائے تو مورخ، اپنے فرض سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ وہ لگی لپٹی نہیں
رکھتا۔ اس کا کہنا ہے۔

فاش می گویم واز گفتن خود دل شادم

فرماتے ہیں، ۳ھ میں احد کی جنگ ہوئی۔ یہ وہ سخت اور فیصلہ کن جنگ
تھی، جسے قدرت کو، مسلمانوں کے عزم و ثبات کی کسوٹی بنانا منظور تھا۔ اول اول
حالات بہت امید افزا تھے، کیونکہ لشکر کفار کے علمدار "طلحہ بن عثمان" کو، حضرت
علیؑ نے قتل کر کے دشمنوں کو شکست دے دی تھی۔ لیکن جب کفار بھاگ کھڑے
ہوئے، اور مسلمان، مال غنیمت لوٹنے کے لئے، پس و پیش سے، بے خبر ہو گئے
تو "خالد بن ولید"، نے پشت کی طرف سے پھر حملہ کر دیا۔

دل تھراتا ہے۔ قلم لرزتا ہے۔ جی چاہتا ہے، مورخوں کے منہ پر ہاتھ
رکھدوں، تاریخ کے صفحات سے ان حروف کو چھیل کر پھینک دوں۔ کس کس کو
دیکھوں، اور کیوں کر لکھوں، کس کس نے فرار کیا۔ لیکن حاکم کو کیا کروں۔ امام
فخر الدین رازی، محمد بن جریر طبری، ابن اثیر جزری، اور شیخ الاسلام دہلوی
ان سب کے بیانات کو، کہاں لے جاؤں۔ جدھر دیکھئے، اس طرف سے دو دو
بہ ہزیمت آوردند، رسولؐ را تنہا گذاشتند، کی آواز آ رہی ہے۔ اور لطف یہ کہ ایک
ایک کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

یہ تھا وہ عبرت انگیز سماں، اور یہ تھا امتحان محبت و صداقت، جس میں
سوائے ایک ذات علیؑ کے، اور کوئی دوسرا کامیاب ثابت نہ ہوا۔ رسولؐ کو

ان کے طرزِ عمل کی وجہ سے، اتنی بے اطمینانی پیدا ہوگئی تھی کہ آپ نے خاتمۂ جنگ پر قتل ہو جانے والوں کے متعلق فرمایا "وہ ہیں، جن کے ایمان کی گواہی میں دیتا ہوں"۔

حضرت ابوبکر نے کہا۔ یا رسول اللہ! کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں؟ اور کیا ہم، اسلام نہیں لائے؟ اور کیا ہم نے کبھی آپ کے ساتھ، جہاد نہیں کیا؟ حضرت نے فرمایا۔ ہاں، مگر کیا معلوم، میرے بعد کیا گل کھلاؤ گے"۔

(مؤطا امام مالک۔ حصہ اوّل صفحہ ۱۸ تا ۲۲)

۴۴:— شہداءِ اُحُد کی نمازِ جنازہ

عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ نے، شہداء احد پر اس طرح نماز پڑھی، جس طرح میت پر پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے، اور فرمایا۔ میں تمہارا فرط اور گواہ ہوں۔ قسم بخدا!! اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے خزانے کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ یا یہ فرمایا مجھے زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ قسم بخدا!! مجھے اس کا خوف نہیں ہے کہ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے۔ لیکن یہ خیال ضرور ہے کہ بری طرح دنیا کی طرف رغبت کرنے لگو گے۔

(کتاب فی الجنائز۔ حصہ اول صفحہ ۲۱۲)

تشریح: آنحضرت کا خدشہ صحیح تھا۔ جنگ احد میں مسلمانوں کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ حضرت حمزہ کی لاش پر چادر اڑھائی گئی تو پیر کھلے رہ گئے۔ پیروں کو گھاس سے چھپایا گیا۔ دو دو شہیدوں کو ایک ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا گیا۔

لیکن حضور کے بعد، وہ لشکر کشی اور چڑھائی ہوئی کہ الحفیظ والامان۔ مدینہ میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا ڈھیر لگ گیا۔ دولت کی وہ بہتات کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا

فرط: جو لشکر کے پانی وغیرہ کے انتظام کو آگے جاتا ہے۔ مراد: پیشرو۔

نہ تھا۔ جھونپڑوں کی جگہ، محلوں نے لے لی۔ دروازوں سے ٹاٹ اتر گئے، اور ریشمی پردے
لٹکا دیئے گئے۔ جس نے رسولؐ کا زمانہ دیکھا تھا، اس دورِ عیش و نشاط کو دیکھتا تو حیران
رہ جاتا کہ کیا وہی مسلمان ہیں، جو چند سال پیشتر تھے؟

خلافت حضرت ابوبکرؓ کے دور میں، زیرِ سرکردگی خالد "حیرہ" فوج بھیجی گئی
آخر حاکم حیرہ سے، نوے ہزار درہم سالانہ، جزیہ[1] پر صلح ہوئی (طبری۔ ج ۴ ص ۲)

جنگ "معیشیا" میں اتنی دولت، ہاتھ لگی کہ ہر سوار کے حصہ میں ڈھائی ہزار
درہم ہاتھ آئے۔ (طبری۔ ج ۴ ص ۱۱)

اہلِ فارس، اپنی حیثیت کے مطابق ٹوپی پہنتے تھے۔ یہ ان کا قومی شعار تھا۔
بادشاہ "ہرمز" کے تاج کی قیمت، ایک لاکھ دینار تھی۔ اس پر جواہرات جڑے تھے۔
حضرت ابوبکرؓ نے، وہ تاج، خالد کو دے دیا (طبری، ج ۴ ص ۲)

حضرت ابوبکرؓ نے، اپنے مرض الموت میں، سرداہ کبیر کے "عبدالرحمٰن بن عوف"
سے فرمایا تھا کہ قریش میں ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ دنیا کی ساری دولت، اسی کو مل جائے۔

حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوا

سہل بن سعدؓ نے، حضرت محمدؐ کا قول نقل کیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کل اس بہادر
کو علم دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ قلعہ کو فتح کرے گا۔ لوگ آس لگائے رہے کہ دیکھیں
یہ علم کس کو ملتا ہے۔ صبح ہوئی تو ہر ایک کو یہی امید تھی کہ علم اسی کو دیا جائے گا۔

---

[1] جزیہ وہ ٹیکس جو حاکمِ اسلام، کافروں پر لگاتا ہے کہ سال میں ہر کافر، اتنا روپیہ بیت المال میں داخل
کرے (انوار اللغہ پ ۵ ص ۲۴)

جزیہ کی شرح عموماً، امیر سے ۴۸ درہم، متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم، کاشتکاروں نیز اہلِ حرفت سے
۱۲ درہم سالانہ تھی۔

درہم، تین آنے کا سکہ۔ دینار، پانچ روپے کا سکہ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا، کہاں ہیں علیؑ؟ کہا گیا۔ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ آپؐ نے طلب فرمایا، اور علیؑ کے حاضر ہونے پر، ان کی دونوں آنکھوں میں، لعاب دہن ڈال دیا۔ فوراً آنکھیں، اچھی ہو گئیں، گویا کوئی بیماری تھی ہی نہیں۔

حضرت علیؑ نے پوچھا، کیا ان سے اس وقت تک جنگ کروں کہ ہمارے جیسے مسلمان ہو جائیں؟ آپؐ نے فرمایا، پہلے میدان جنگ میں ذرا توقف کرنا، پھر ان کو دعوت اسلام دینا، اور ان کو وہ امور بتانا، جو ان پر واجب ہیں۔ بخدا! تمہاری وجہ سے ایک شخص کا ہدایت پا جانا، تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (فضل الجہاد حصہ دوم ص۵۵)

تشریح۔ اس حدیث کو "ظلمات کا آب حیات" کہہ سکتے ہیں۔ "خیبر" مدینہ سے شام کی طرف ۴ یا ۵ دن کی راہ ہے۔ ۸ یا ۹ میل کے فاصلہ پر، ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ مورخین نے ۸ برید کا فاصلہ لکھا ہے۔ ۸ قلعوں کے مجموعے کو "خیبر" کہتے تھے۔ آٹھ قلعے یہ تھے:۔

"ناعم"، "صعب"، "شق"، "کتیبہ"، "نطاۃ"، "وطیح"، "سلالم"، "قموص"

یہ واقعہ محرم ۷ھ کا ہے۔ لشکر اسلام میں ڈیڑھ ہزار مسلمان تھے، جن میں ایک سو سوار، باقی اونٹوں پر اور پیادہ۔ یہودیوں کی تعداد، دس ہزار۔ ۱۰ یا ۱۲ دن محاصرہ رہا۔ سب قلعے فتح ہو گئے۔ صرف قلعہ "قموص" رہ گیا جو مستحکم ترین، اور مرکز حکومت تھا۔ اس عرصہ میں، آنحضرتؐ درد شقیقہ میں مبتلا ہو کر خیمہ میں رہنے لگے۔

پہلے دن حضرت عمرؓ، علم لے کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے چلے، لیکن کامیابی نہ ہوئی، اور واپس آ گئے۔ علم لے کر جانے کی شگفتگی، واپسی کی پژمردگی، سے بدل

"برید" ۴ فرسخ کا ہوتا ہے۔ "فرسخ" ۳ میل کا، "میل" ۴ ہزار خطوہ کا۔ "خطوہ" ۲ قدم کا۔

(برید کی تحقیق بر صفحہ [illegible])

گئی۔ خوشی کی سرخی کی جگہ، شرمندگی کی زردی چھا گئی۔

دوسرے دن حضرت ابو بکرؓ نے نشان فوج لیا، اور چل دئے۔ مگر انجام
صفر۔ جیسے گئے تھے، ویسے ہی آگئے۔ نہ کسی کو مارا، نہ مار کھائی۔ یہ ہے سیا
اس کی باریکیاں سمجھنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

تیسرے دن پھر حضرت عمرؓ علم لے کر سردار فوج بنے۔ جنگ کی، مگر
وہی ڈھاک کے تین پات!! بغیر مقصد حاصل کئے لوٹ آئے (مدارج النبوۃ
صفحہ ۳۲۲)

تیسرے دن کی شرمندگی کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمرؓ فوجیوں کو بزدل
بتاتے، اہل لشکر، حضرت عمرؓ کو بزدلی کا سارٹیفکیٹ دیتے (تاریخ طبری
صفحہ ۹۳)

یہ نکتہ قلب و نظر کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر رسول اللہ، حضرت عمرؓ کو سچا جان
تو فوج بدل دیتے، لیکن آپ نے چوتھے دن سردار بدل دیا۔ اور لشکری وہی
اس طرز عمل نے بتا دیا کہ فوج والے سچے تھے۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ تاریخ میں لفظ "اَخَذَ" ہے بمعنی "لیا"۔ یعنی ان دونوں
بزرگوں کو، حضرتؐ نے علم نہیں دیا بلکہ خود بڑھ کر لے لیا۔

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم فرماتے ہیں۔

"ہر وقت اسے پیش نظر رکھئے کہ استقامت، اصل کار ہے۔ اگر ایک آدمی فوج
کی نوکری نہیں کرتا تو یہ کوئی جرم نہیں۔ لیکن اگر سپاہی بن کر، اور میدان جنگ میں آ کر پیچھے
ہٹتا ہے تو اس کی سزا موت کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

ہاں رہِ عشق است کہ رفتن ندارد بازگشت
جرم را اینجا عقوبت ہست و استغفار نیست

دریا میں اترنے سے پہلے، سب کچھ سوچ لینا چاہئے۔ لیکن جب اتر گئے
تو موجوں کا شکوہ فضول ہے۔ ممکن ہے، پہلے ہی غوطہ میں، خونخوار نہنگوں
کا سامنا ہو جائے۔ لیکن جو شخص، سمندر میں کودتا ہے، اُسے نہنگوں کے وجود
سے بے خبر نہ ہونا چاہئے۔"

چوتھے دن، شب کو رسولِ خداؐ نے فرمایا "کل اس بہادر کو علم دوں گا
جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرے گا، اور نہ بھاگے گا۔ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا
ہے، اور اللہ، اور رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔

علامہ جلال الدین محدث، صاحب روضۃ الاحباب نے تفسیر کی ہے
"مرد ستیزہ کنندہ، ناگریزندہ" ایسے شخص کو علم دوں گا، جو جنگ کا
ماہر، اور نہ بھاگنے والا ہوگا"

جب رسالتمآبؐ نے یہ نوید جانفزا سنائی تو لوگوں نے میٹھی نیند
تج دی۔ آنکھوں میں رات کاٹ دی کہ دیکھیں، کس خوش قسمت کا نصیبہ
جاگتا ہے، اور یہ فضیلت کس کو عطا ہوتی ہے۔

سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ میں آنحضرتؐ کے سامنے جا کر، دو زانو
بیٹھ گیا، اور یہ اُمید لیکر اٹھا کہ علم مجھے عطا ہوگا (مدارج النبوۃ۔ ج ۲ ص ۳۲۲-۳۲۳)

محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں "صبح ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ اپنے
گرد اونچا کرکے دکھانے لگے، یعنی ایڑی اٹھا کر، پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ
رسول اللہ ہم کو دیکھ لیں" (طبری ج ۳ ص ۹۳)

حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں نے روز خیبر کے سوا، کبھی سرداری کی تمنا
نہیں کی (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۳۲۳)

رسول اللہؐ کی خدمت میں اہل نجران نے عرض کی کہ ہماری تبلیغ کے لئے کسی کو ساتھ کر دیجئے
آنحضرتؐ نے فرمایا بقسم اس ذات کی جس نے مجھے مبعوث بہ حق کیا ہے، میں تمہارے ساتھ، قوی

یہ وقت تھا کہ حضرت علیؑ، آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ اس تکلیف کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئے۔ پھر سوچا کہ رسول اللہ جنگ میں جائیں، اور میں گھر رہوں۔ یہ امر مناسب نہیں۔ آپؑ نے تکلیف کی پرواہ نہ کی، اور خیبر جا پہنچے۔ آنحضرتؐ کو بھی آپ کے پہنچنے کی خبر ہو چکی تھی۔

اصحاب کا یہ خیال تھا کہ یہ فضیلت، علیؑ کی قسمت میں نہیں، کیونکہ آنکھ دکھ رہی ہیں۔ لیکن صبح ہوئی تو حضرتؐ نے فرمایا۔ کہاں ہیں علیؑ؟ آواز ابھی پوری منزل طے نہیں کر چکی تھی کہ لوگوں نے جواب دیا "ہیں" مگر آنکھوں میں تکلیف ہے کہ پیر تلے کی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ فرمایا۔ میرے پاس لاؤ۔ "سلمہ بن اکوع" ہاتھ پکڑ کر لے گئے۔ آپؐ نے ان کا سر زانوئے مبارک پر رکھا، اور لعاب دہن لگا دیا۔ پھر دعا فرمائی۔ فوراً آنکھیں اچھی ہو گئیں، اور پھر کبھی سر، اور آنکھ میں تکلیف نہ ہوئی (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۲۴۳)

جناب رسولِ خداؐ نے اپنی خاص زرہ پہنائی۔ اپنے دست مبارک سے کمر میں ذوالفقار باندھی، اور فرمایا۔ بغیر فتح کے واپس نہ آنا۔ عرض کی، یا رسول اللہ! اس وقت تک جنگ کر دوں، کہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں؟ فرمایا۔ پہلے ان کو ہدایت کرنا۔ اگر تمہاری وجہ سے ایک شخص نے ہدایت پائی تو اس کا ہدایت پانا، ہزار سُرخ اونٹ، صدقہ کرنے سے بہتر ہے

بہتر کو بھیجوں گا۔

حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ میں نے اس دن کے سوا، کبھی سرداری کی تمنا نہیں کی، میں نے اپنا سر بلند کیا کہ رسول اللہؐ مجھے دیکھ لیں۔ لیکن آپؐ نے ابوعبیدہ کو ان کے ساتھ کر دیا (منتخب کنز العمال۔ ج ۵ ص ۲۶۵)

آنحضرتؐ کا مقصود یہ تھا کہ پہلے نوکِ زباں سے کام لینا۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو نوکِ سناں، استعمال کرنا۔

حضرتؑ روانہ ہوئے۔ قلعہ "قموص" کے نیچے آئے۔ علم کو پتھر کے ٹیلہ پر گاڑ دیا۔ قلعہ پر ایک یہودی عالم تھا۔ اس نے پوچھا۔ اے صاحب علم اور سردار لشکر! تمہارا کیا نام ہے۔ فرمایا۔ میں علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ اس نے آواز دی۔ اے قوم یہود! قسم ہے توریت کی۔ اب تم شکست کھا جاؤ گے۔ بغیر فتح کئے نہ لوٹے گا۔

قلعہ کا دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے "مرحب" کا چھوٹا بھائی "حارث" نکلا۔ اس کے نیزہ کی انی ۳۰ سیر کی تھی۔ اس نے جنگ شروع کی۔ اور چند مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علیؑ نے سر پہ ایسی ضرب لگائی کہ چیں بول دیا، اور واصل جہنم ہوا۔

"مرحب" نے سنا تو پیر تلے زمین نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ بہادروں کی جماعت لے کر قلعہ سے نکلا۔ یہ بڑے جھوٹ کا پہلوان تھا۔ سارے یہودیوں میں اس کی شجاعت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ سب اس کا لوہا مانتے تھے۔ شہ زوری اور بدمستی کا طوطی بول رہا تھا۔ دو زرہ پہن رکھی تھی، دو تلوار لٹکائے تھا۔ عمامہ سر پر، اس کے اوپر خود۔ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔ لیکن فوج اسلام سے کوئی مقابلہ کو نہ نکلا۔

حضرت علیؑ رجز پڑھتے ہوئے سامنے آئے۔ مرحب نے پھرتی سے سر پر تلوار مارنی چاہی۔ آپؑ نے کڑک کے سر پر ایسی تلوار لگائی کہ خود، عمامے اور سر کو کاٹتی ہوئی حلق تک جا پہنچی۔ ایک روایت میں ہے کہ زین تک پہنچی، اور مرحب کو دو ٹکڑے کر دیا (مدارج النبوۃ۔ ج ۲ ص ۲۱)

اب مسلمانوں نے سخت حملہ کر کے یہودیوں کو قتل کر دیا۔ یہودیوں میں بھگدڑ مچ گئی، اور قلعہ کی طرف بھاگے۔ حضرت علیؑ نے پیچھا کیا تو ایک یہودی نے آپؑ کے ہاتھ پر وار کیا، جس سے آپؑ کی سپر گر گئی۔ دوسرا یہودی، ڈھال لے کر بھاگ گیا۔ آپ کو غیظ آ گیا، پس قدرت ربانی اور قوت روحانی سے جست کر کے خندق پار کر لیا، اور دروازہ قلعہ پر جا پہنچے۔ قلعہ کے آہنی در کو اکھاڑ کر سپر بنا لی، اور جنگ کرنے لگے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۲۲۵)

امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ، صفیہ بنت حی بن اخطب منہ کے بل گر گئی اور اس کا چہرہ زخمی ہو گیا۔

حضرتؑ نے جنگ کے بعد، دروازہ کو پشت کی جانب، دو سو بالشت دور پھینک دیا۔ (ص ۳۲۵)

روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ، اور اکثر کتابوں میں ہے کہ سات قوی آدمیوں نے، اس دروازہ کو پلٹنا چاہا، لیکن پلٹ نہ سکے۔

صاحب مواہب لدنیہ نے لکھا ہے کہ جس دروازہ کو علیؑ نے اکھاڑا، اسے ۷۰ آدمی بمشکل ہلا سکے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۵)

جب جناب امیرؑ، جنگ سے واپس ہوئے تو آنحضرتؐ، خوشی خوشی خیمہ سے استقبال کو نکلے۔ بغلگیر ہوئے، اور پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر فرمایا، علیؑ! تمہارا کارنامہ لائق شکریہ ہے۔ اللہ اور اس کا رسولؐ تم سے خوش ہے۔

جناب امیرؑ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپؐ نے پوچھا، علیؑ! یہ گریہ شادی ہے یا گریہ غم؟ عرض کی گریہ شادی۔ کیوں نہ خوش ہوں، جبکہ آپؐ مجھ سے خوش ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، صرف میں ہی خوش نہیں ہوں، بلکہ جبرئیل، میکائیل اور سارے فرشتے، تم سے خوش ہیں (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۲۶)

درحقیقت، حضرت علیؑ کا یہ کارنامہ "شاہکار" کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپؑ نے پہاڑ کاٹ کے جوئے شیر جاری کر دی۔ شمشیر خارا شگاف سے، آہن و فولاد کے سینے چیر دیئے۔

بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

کے مصداق ثابت ہوئے۔

چشم فلک اور مہر و ماہ کی آنکھوں نے ایسا پُر جگر انسان نہیں دیکھا تھا۔ علیؑ! تمہارا نام، قیامت تک، بزدلوں کو درس شجاعت دیتا رہے گا، اور حرب و ضرب کی تاریخ، تم کو کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

رسول خداؐ نے خیبر سے واپس ہوتے ہوئے، منزل "صہبا" میں قیام فرمایا، اور وہیں نماز عصر پڑھی۔ حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ حضرت علیؑ نے، کسی وجہ سے نماز نہیں پڑھی تھی۔ ابھی حضورؐ آرام فرما رہے تھے کہ وحی آنے لگی۔ اس میں اتنی دیر ہوئی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ وحی سے فراغت ہوئی تو پوچھا، علیؑ تم نے نماز پڑھی؟ عرض کی نہیں۔ آپ نے دعا فرمائی، بارالٰہا! اگر علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھے تو آفتاب پھیر دے کہ وہ نماز پڑھ لیں۔ خدا نے اپنے حبیب کی دعا قبول فرمائی، اور آفتاب پھیر دیا۔ وہ اتنا بلند ہوا کہ پہاڑ اور جنگل پر اس کی شعاع پڑتی تھی۔ ساری خلقت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت علیؑ نے نماز عصر پڑھی، اور آفتاب غروب ہو گیا (مدارج النبوۃ ج ۲۔ ص ۳۳۶)

مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات

تو یہ کہانی "ہزام" کی زبانی بھی سن لیجئے۔ شاید قند مکرر کا لطف دے جائے۔

۷ھ میں خیبر کی مہم درپیش ہوئی۔ اتفاق سے جناب امیرؑ کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں، اور آپ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔

خیبر کے قلعوں میں، جو سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا، وہ دشمن کا تھا۔ تین روز تک متواتر، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ علم اسلام لے کر تشریف لے گئے، لیکن ہر بار ناکام واپس آ گئے۔ جب یہ صورت دیکھی رسول اللہؐ نے فرمایا۔ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا، جو بھاگنے والا نہیں ہے، جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے، اور جسے اللہ اور رسول دوست رکھتے ہیں۔ خدا اسی کے ہاتھ سے فتح کرائے گا۔ [1]

بعض روایات میں "کرار غیر فرار" کا ٹکڑا نہیں ہے۔ لیکن اگر اس ٹکڑے کو علیحدہ کر دیا جائے، تو معنی تشنہ رہتے ہیں، کیونکہ حال یہ تھا کہ برابر تین دن سے، اصحاب کی سرکردگی میں فوجیں بھیجی جا رہی تھیں اور برابر وہ لوگ، شکست کھا کر واپس آ جاتے تھے۔ اس لئے لازمی ہے کہ رسول اللہؐ نے، یہی کہا ہوگا کہ کل اس کو علم دوں گا، جو بھاگ کر واپس نہ آئے، ورنہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

علاوہ اس کے، اس فقرہ کو علیحدہ کر دینے سے یہ معنی پیدا ہوں گے کہ کل میں علم اس کو دوں گا جو خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ گویا لوگ وہ جو اس سے قبل، پرچم اسلام لے کر، خیبر فتح کرنے گئے تھے

---

[1] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۳ سیرت ابن ہشام برحاشیہ روض الانف ج ۲ ص ۲۴۹

[2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۵۳ خصائص نسائی ص ۱۱ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۸۷ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۲۳ استیعاب ج ۲ ص ۴۷۳

رسولؐ کے دوست تھے۔ اس صورت میں صحابہ کی اور توہین ثابت ہوتی ہے۔

بہرحال، کرار غیر فرار کا ٹکڑا ہو، یا نہ ہو۔ یہ امر مسلّم ہے کہ رسولؐ اللہ تین دن کی مسلسل ناکامیابیوں کی وجہ سے کسی اور شخص کا انتخاب چاہتے تھے۔ جس کا اظہار، ان الفاظ میں فرمایا۔

طبری نے لکھا ہے کہ جب دوسرا دن ہوا تو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اپنی گردنیں، اونچی کر کے دیکھنے لگے۔ لیکن اس دوسرے دن صبح کو کیا ہوا؟ حضرتؐ نے علم کو جنبش دی، اور فرمایا۔ کون اس کو لیتا ہے؟ ایک صاحب آگے بڑھے، اور کہا، میں۔ آپؐ نے فرمایا، جاؤ، آگے بڑھو۔ قسم اس خدا کی جس نے محمدؐ کے چہرے کو عزت دی ہے، میں یہ علم اس شخص کو دوں گا، جو بھاگنے والا نہیں ہے۔ اے علیؑ اٹھو، اور علم لو۔ چنانچہ آپ نے علم لیا۔ قلعہ فتح کیا، اور کامرانی کے ساتھ بامراد واپس آئے۔[2]

یہ باتیں، دیکھنے میں بہت معمولی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن انہیں جزئی واقعات سے، عمومی تاریخ مرتب ہوتی ہے، اور ایک مورخ، انھیں واقعات، صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں، کامیاب ہوتا ہے۔ (خلافت و امامت حصہ اول ص۲۶ تا ۳۰)

۴۵:۔ آنحضرتؐ کی پیشین گوئی کہ تم لوگ یہود و نصاریٰ کے قدم بقدم چلو گے۔

ابوسعیدؓ نے کہا کہ رسولؐ اللہ نے (اصحاب سے) فرمایا۔ یقیناً تم لوگ ایک ایک قدم، اور ایک ایک بالشت پر، اپنے پیشروؤں کی پیروی

1۔ ریاض نضرہ ج ۲ ص ۱۸۷ 2۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۹۵

کرو گے۔ اگر وہ لوگ، گوہ کے بھٹ میں، گھسے ہوں گے، تو تم بھی گھس جاؤ گے۔
اصحاب نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا ہم، یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟
آپؐ نے فرمایا، اور کس کی؟ (کتاب بدء الخلق حصہ دوم صفحہ ۱۲۲)

تشریح۔ جب آپؐ غزوہ حنین کے لئے تشریف لئے جا رہے تھے تو ایک درخت
کے پاس سے گذر ہوا، جس کو مشرکین "ذات انوط" کہتے۔۔۔ اور اس پر اپنے ہتھیار
لٹکاتے تھے۔ اصحاب نے عرض کی، یا حضرتؐ! ایسا ہی "ذات انوط"، ہمارے لئے
بھی بنا دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سبحان اللہ!! بنی اسرائیل نے بھی، موسیٰؑ سے ایسی
ہی فرمائش کی تھی، اے موسیٰ! کافروں کے معبودوں کی طرح، ہمارے لئے بھی ایک
معبود بنا دیجئے۔

اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔

"وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُونَ عَلٰىٓ أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوا
يَا مُوسَى اجْعَلْ لَّنَآ إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ
مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا
وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (پ ۹ س اعراف آیت ۱۴۰)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے نکالا۔ پس وہ ان لوگوں کے پاس آئے جو
بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا، اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی
ہی ایک معبود بنا دو، جیسے ان کے معبود ان ہیں۔ موسیٰ نے جواب دیا۔ تم لوگ
جہالت کی باتیں کر رہے ہو۔ یہ بت پرست ہلاک کئے گئے ہیں، اور یہ لوگ برے
اعمال کرتے تھے۔ موسیٰ نے کہا، کیا میں تمہارے اللہ کے سوا کسی اور معبود کی
خواہش کروں، حالانکہ اللہ نے، تم کو تمام دنیا والوں پر فضیلت دی ہے۔
آپؐ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضہ قدرت میں، محمدؐ کی

ہے، تم لوگ ان کا طریقہ اختیار کرو گے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی کفار، اور یہود کا (سیرت ابن ہشام۔ ج ۲ ص ۲۶۵)

۶۴۔ جنگ حُنین میں آپؐ کا ثابت قدم رہنا۔

ایک شخص نے "براء بن عازب" سے پوچھا۔ کیا تم لوگ، جنگ حنین میں رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ جواب دیا، ہاں۔ مگر رسول اللہؐ نہیں بھاگے تھے۔ بیشک، قبیلہ "ہوازن"، والے بڑے تیر انداز تھے۔ مڈبھیڑ ہوئی تو ہم نے سخت حملہ کیا، اور دشمنوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ پھر مسلمان، لوٹ میں لگ گئے، تو انھوں نے، تیروں کی بوچھار کر دی۔ لیکن آنحضرتؐ ڈٹے رہے، اور میدان نہ چھوڑا۔ میں نے ان کو سفید خچر پر سوار دیکھا۔ ابوسفیان بن حارث، بن عبدالمطلب، خچر کی لگام، تھامے تھے۔ نبیؐ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں کہ میں نبیؐ ہوں۔ میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔ (فضل الجہاد والسیر۔ حصہ دوم ص ۴۸)

تشریح۔ "حُنین"، بعض مورخین کا خیال ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان، ایک موضع تھا۔ بعض کا خیال ہے، کہ چشمہ تھا۔ مکہ اور حُنین کے درمیان، تین شب کی راہ تھی۔ یہ مقام، طائف کے قریب تھا۔ اس کو غزوہ "ہوازن" بھی کہتے ہیں۔

"ہوازن"، ایک قبیلہ تھا جو وہاں آباد تھا۔ قبیلہ "ثقیف" بھی اس سازش میں شریک تھا۔

غزوہ حنین، بعد فتح مکہ ہوا۔ روز شنبہ ۶، شوال ۸ھ مطابق ۶۳۰ء کو آنحضرتؐ، ۱۲ ہزار لشکر کے ساتھ، مکہ سے روانہ ہوئے۔

۱۲ ہزار مدینہ کے مسلمان اور ۲ ہزار مکہ کے نومسلم تھے۔

حنین کا راستہ، نہایت تنگ تھا۔ گڑھے اور نالے کثرت سے تھے

مسلمان، چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں چلتے تھے۔ آنحضرتؐ، سفید خچر پر سوار

تھے۔ خالد بن ولید، مقدمۂ لشکر تھے۔

دشمن، گھات میں تھے۔ موقع پا کر نکل پڑے، اور تیروں کی بارش

کردی۔ وہ تھے بھی تیر انداز۔ مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ۱۰

آدمی رہ گئے، جن میں حضرت علیؑ، ان کے بھائی حضرت عقیلؑ، چچا عباسؓ

ان کے دو بیٹے قثم اور فضل، ابوسفیان بن حارث، ربیعہ بن حارث

بنی ہاشم کے۔ اور ۳ غیر بنی ہاشم تھے۔ اسامہ بن زید۔ ان کے مادری بھائی

ایمن ابن ام ایمنؓ اور عبداللہ بن زبیر بن

حارث، خچر کی لگام پکڑے ہوئے، اور حضرت عباسؓ،

رکاب تھامے تھا۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۷ تا ۴۰۸)

علامہ حلبی نے، نہ بھاگنے والوں کی تعداد، صرف ۴ بتائی ہے۔ ۳ بنی ہاشم

یعنی حضرت علیؑ، ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب، عباس بن عبدالمطلب

اور، ایک غیر بنی ہاشم یعنی عبداللہ بن مسعود (سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۰۹)

ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنے قصیدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے متعلق لکھا

"ابوبکر کے بھاگنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ اس سے قبل، ڈر کے

مارے خیبر سے بھی بھاگ چکے تھے"

"ابوقتادہ" صحابی کا بیان ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ میں بھی بھاگا

ناگاہ، کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمرؓ، آگے آگے بھاگے جا رہے ہیں۔ میں نے

پوچھا، کیا معاملہ ہے؟ فرمایا، خدا کی مرضی میں کیا چارہ؟

(صحیح بخاری - کتاب المغازی - پ ۱۷ ص ۵۰)

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کی کثرت اور شوکت دیکھ کر، حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ "آج ہم مغلوب نہ ہوں گے" چونکہ یہ کلمہ، غرور و تکبر کی علامت ہے، لہٰذا آیت اتری۔

"وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ○" (پ ۱۰ س التوبہ - آیت ۲۵)

حنین کے دن، جب تمہیں اپنی کثرت (تعداد) نے مغرور کر دیا تھا، کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور (تم ایسے گھبرائے کہ) زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہو گئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔"

محمد احمد صاحب الٰہ آبادی تحریر فرماتے ہیں۔

"جنگ حنین میں حضرت ابوبکرؓ، اور بعض دیگر صحابہ سے عُجب (غرور) إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ، جیسا نفسانی رذیلہ ظاہر ہو گیا تھا۔" (تحفہ کربلا ص ۱۵۸)

جناب رسول خدا، دشمنوں کی طرف، خچر بڑھاتے تھے، اور فرما رہے تھے۔ بلاشبہ، میں نبیؐ اور عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔

ابوسفیان بن حارث لگام پکڑے، اور حضرت عباس، رکاب تھامے، خچر کو روک رہے تھے۔ اس موقع پر معاویہ کے باپ، ابوسفیان بن حرب نے "صفوان بن امیہ" سے کہا۔ بشارت ہو۔ محمدؐ، اور ان کے اصحاب بھاگ گئے۔ ایسا بھاگے ہیں کہ دریا کے کنارے، دم لیں گے۔ آج جادو باطل ہو گیا۔

سیف اللہ خالد بن ولید بھی بھاگ نکلے۔ جنگ احد میں بھی، عبداللہ بن جبیرؓ کی تیر اندازی کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ کئی حملے کئے، مگر کچھ نہ چل سکی، اور پیچھے ہٹنا پڑا۔ لیکن خلیفۂ اول نے سیف اللہ کا خطاب دیدیا۔ خلیفہ ہو گئے صاحب جو چاہیں آپ کریں۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۹)

یہ اس کی منافقت تھی۔ فتح مکہ میں بظاہر اسلام لا چکا تھا، لیکن دل میں، کفر انگڑائیاں لے رہا تھا۔ اسی لئے رسولؐ اللہ نے "مؤلفۃ القلوب" کی فہرست میں رکھا تھا (ملاحظہ ہو "دشمنان اہلبیتؑ"، قصہ ابوسفیان)

حضرت عباسؓ کی آواز بہت بلند تھی۔ آپ نے آنحضرتؐ کے حکم سے پکارا اے گروہ انصار! اے بیعت رضوان کرنے والو! کہاں بھاگے جاتے ہو، رسولؐ کو چھوڑ کر؟ آواز سنتے ہی مسلمان، لوٹ پڑے۔ اور جم کر لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر طرف جنگ کا آتش فشاں، پھٹ پڑا، اور چمکتی ہوئی تلواریں، خون اگلنے لگیں۔

رسولؐ اللہ نے، حضرت علیؑ سے ایک مٹھی خاک لی، اور دشمنوں کی طرف پھینکا۔ پھر فرمایا، قسم ہے خدا کی، اب دشمن شکست کھا گئے۔ چنانچہ کفار کو شکست ہوئی، اور بہت سا مال غنیمت، مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۱۱)

اس غزوہ میں ۴ مسلمان شہید ہوئے، جن میں سے ایک "ایمن" ابن "ام ایمن" تھے۔ اور ۷۰ کافر، تلوار کے گھاٹ اترے (ص ۴۱۳)

۴۷:۔ کعبہ میں مشرکین داخل نہ ہوں

ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ایام حج میں حضرت ابوبکر کو بھیجا کہ روز قربانی منیٰ میں اعلان کردیں، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، اور نہ برہنہ، خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ تھے پھر آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کو یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تم جا کر، سورہ برأت

سنا (علیؑ) نے میرے ساتھ، منیٰ میں روز قربانی اعلان کیا اس سال کے بعد
(کو)ئی مشرک، حج نہ کرے، اور برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے۔
(ک)تاب الصلوٰۃ۔ حصّہ اوّل صہ ۹۱)

تشریح۔ سورہ "براۃ" دسویں پارہ میں ہے۔ قرآن میں اس کا نام
"التوبہ" ہے۔ اس سورہ کے ۱۴ نام ہیں۔ "براۃ" کفار
(س)ے بیزاری۔ چونکہ اس سورہ میں، مشرکین سے، بیزاری کا اظہار ہے۔ اس
(لئ)ے یہ نام بھی رکھا گیا۔

قرآن میں صرف یہی سورہ ہے، جس کے شروع میں بسم اللہ، نہیں ہے،
(کی)ونکہ بسم اللہ امان و رحمت کے لئے ہے، اور "براۃ" بمعنی عدم امان۔ اسی
(لئ)ے بسم اللہ، نہیں ہے کہ شروع ہی سے اللہ کے غضب اور ناخوشی کا اظہار
ہو جائے۔

اس سورہ میں ۱۲۹ آیتیں، ۲۹۷ کلمات ۱۰۸۸۷ حروف، اور ۱۶ رکوع
(ہی)ں۔ یہ سورہ مدنی ہے۔ مروی ہے کہ اس سورہ کے ساتھ، ۰۰۰ا فرشتے آئے تھے
(ی)ہ واقعہ ذیقعدہ ۹ھ کا ہے۔ اس سال کو "عام الوفود" بھی کہتے ہیں،
(کی)ونکہ بہت سے لوگ، وفد کی صورت میں آکر مسلمان ہوئے۔

رسول اللہؐ نے ۳۰۰ آدمیوں کو حج کے لئے بھیجا، جن میں "سعد بن ابی
(وق)اص" "عبدالرحمٰن بن عوف" "جابر بن عبداللہ" اور "ابوہریرہ" وغیرہ
(جی)سے بزرگ اصحاب تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو امیر حج بنایا اور ہدایت کی کہ لوگوں
(کو ح)ج کے طریقہ تعلیم کرو۔ نیز سورہ "براۃ" کی ۳۰ یا ۴۰ ابتدائی آیتیں، لوگوں
(کو س)نائی۔

حضرت ابوبکر "ذوالحلیفہ" سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو جبرئیلؑ

نے بارگاہ نبوت میں عرض کی۔ اس سورہ کو آپؐ سنائیں، یا علیؑ۔ آنحضرتؐ
نے جناب امیرؑ کو حکم دیا۔ اے علیؑ! جا کر یہ آیتیں ابوبکر سے لے لو، اور حاجیوں
کو سناؤ۔ پھر اپنے خاص ناقہ "غضباء" پر سوار کر کے روانہ کر دیا۔

حضرت ابوبکر، مکہ کے قریب، منزل "عرج" پر پہنچے تھے، اور نماز صبح
کی تیاری کر رہے تھے کہ حضرت علیؑ پہنچ گئے، اور آیتیں لے لیں۔
مکہ میں آیتیں سنا کر حج سے لوٹے تو حضرت ابوبکرؓ نے، خدمت رسولؐ
میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہؐ! کیا مجھ سے کوئی قصور سرزد ہوا جو آیتیں
لے لی گئیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں، بلکہ جبرئیل نے کہا۔ یہ آیتیں آپؐ سنائیں
ہیں، یا جو شخص آپؐ سے ہو (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۴۹۳-۴۹۴)

شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسولؐ خدا نے، حضرت ابوبکر اور
عمر کو، سورۂ برأۃ، دے کر مکہ والوں کی طرف بھیجا۔ ابھی راستہ میں تھے کہ
علیؑ نے وہ سورہ، دونوں سے لے لیا، اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ دونوں
حضرات، مکہ نہ گئے، اور مدینہ لوٹ آئے۔ دونوں نے، حضرت رسولؐ خدا سے
عرض کی، ہم نے کیا قصور کیا؟ آپؐ نے فرمایا۔ خدا نے مجھے حکم دیا کہ اس کو میں
ہو، یا وہ شخص جو تم سے ہو (قرۃ العینین صفحہ ۲۳۴)

علامہ علی متقی لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر، رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر
رونے لگے۔ (کنز العمال۔ ج ۱ صفحہ ۲۴۶)

علامہ مسعودی لکھتے ہیں، "رسول اللہؐ کے حسب ارشاد، حضرت علیؑ نے
یمن میں حق تبلیغ ادا کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا ایک سال بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ
عرب، جن کی تعداد، ایک لاکھ سے زائد تھی، دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔"

تنگ و نفرت کرنے لگے، اور اس پر قائم رہنے سے پشیمان ہوئے"
(التنبیہ والاشراف مترجم ص۱۰۶)

"ہر نام" نے، اس موقع کی مرقع کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

"سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے کہ سورہ براۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، جن کا اعلان، مکہ معظمہ میں، حج کے موقع پر ہونا تھا۔

اس واقعہ کے متعلق، مختلف روایات ہیں۔ نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کو، ان آیات کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد ان کو واپس بلا کر، یہ خدمت حضرت علیؑ کے سپرد کی۔

دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو واپس نہیں بلایا، بلکہ خود حضرت علی کو، روانہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے وہ آیات لے کر خود اس خدمت کو انجام دیں۔

بہرحال، ان تمام روایات میں، رسولؐ اللہ کا یہ قول، قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے کہ علیؑ مجھ سے ہے، اور میں علیؑ سے۔ اپنی ترجمانی، یا میں خود کر سکتا ہوں یا علیؑ۔

دوسری روایات میں یہ الفاظ اس طرح پائے جاتے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خود، اس کو پہنچاؤں، یا ایسا شخص، جو میرے اہلبیتؑ میں داخل ہو۔[۱]

بہرحال، حضرت ابوبکرؓ روانہ ہو چکے تھے یا نہیں، وہ واپس بلائے گئے یا نہیں، یہ مسلّم ہے کہ آیات قرآنی کی تبلیغ کے لئے، حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو منتخب کیا، اور یہ کہکر کہ اس خدمت تبلیغ کا اہل، میں ہوں، یا پھر وہ، جو میرے اہلبیتؑ میں داخل ہو"
(خلافت و امامت حصہ اوّل ص۳۵)

---

[۱] خصائص نسائی ص۲۰-۲۳ روض الانف ج ۲ ص۳۲۰ طبری ج ۳ ص۱۵۴ تاریخ خمیس ج ۲ ص۱۴۶ ریاض نضرہ ص۱۷۴

۴۸:۔ جنگ تبوک کے وقت آپؐ کا حضرت علیؑ کو اپنا جانشین کرنا

سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ، غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے جانے لگے تو حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم، اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو، جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی؟ صرف اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا (غزوہ تبوک۔ حصہ دوم صفحہ ۲۴۵)

تشریح۔ غزوہ "تبوک" اس کو غزوہ "فاضحہ" بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں، منافقوں کی فضیحت و رسوائی ہوئی ہے۔

اس کو "غزوۃ العُسرہ" اور "جیش العُسرہ" بھی کہتے ہیں۔ اس غزوہ میں، کھانے کو سڑے خرموں، اور بدبودار چربی کے سوا کچھ نہ تھا۔ لوگ درختوں کے پتے کھاتے تھے، جس سے چہروں پر ورم آگیا۔ ۱۸ آدمیوں کے درمیان، ایک اونٹ تھا، جس پر باری باری سوار ہوتے تھے۔

"تبوک" کے بارے میں، مورخین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ایک موضع تھا۔ کچھ لوگ قلعہ بتاتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے چشمہ تھا۔

"تبوک" ملک شام میں، مدینہ سے ۱۴ منزل کے فاصلہ پر تھا۔ واقعہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کو خبر لگی کہ "ہرقل"، بادشاہ شام نے، قبائل عرب "جذام" "عاملہ" اور "غسان" وغیرہ سے ساز باز کرکے، مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا ہے اور چالیس ہزار مرد جنگ آزما "قباد" رومی کی کمان میں روانہ کر دیا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی آپؐ نے اصحاب کو تیاری کا حکم دیا، اور روز پنجشنبہ
ماہ رجب ۹ھ کو مدینہ سے کوچ کر دیا۔ حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین
بنایا۔ منافقوں اور حاسدوں نے، خبر اڑائی کہ آنحضرتؐ ناخوش ہیں، اسی
لئے حضرت علیؑ کو ساتھ نہیں لے گئے۔ یہ سنکر حضرت علیؑ کو بہت افسوس
ہوا، اور تبوک کی طرف چل پڑے۔ رسول اللہؐ سے ملاقات ہوئی تو عرض کی
رسول اللہؐ! میں تمام غزوات میں شریک ہوا، سوائے اس کے۔ کیا آپؐ
مجھے بچوں، اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟ حضرتؐ نے ارشاد فرمایا "اَمَا
تَرضیٰ اَن تکُونَ مِنّی بِمَنزِلَةِ ھَارُونَ مِنْ مُوسیٰ اِلّا انّہٗ لَیسَ
نبیّ بعدی" (مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۴۵۴)

ملا علی متقی لکھتے ہیں۔ جناب رسالتمابؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا ہیں
کہ اس لئے چھوڑ کر جاتا ہوں کہ تم ہی میرے خلیفہ رہو (کنز العمال ج ۶، صفحہ ۱۵۴)

علامہ سبط ابن جوزی فرماتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا علیؑ! تم کو اس
سے خوشی نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی مرتبہ حاصل ہو، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھا،
سوا اس کے کہ تم کو نبوت نہیں ملیگی؟ اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے
(خواص الامۃ صفحہ ۱۲)

"ہرقل" نے پشیمان ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیا، اور صلح کر لی۔ جنگ کی
نوبت نہیں آئی۔ یہ آخری غزوہ تھا۔ اس حدیث کو "حدیث منزلت" کہتے ہیں۔

اب یہ کہانی "ہرنام"، کی زبانی سنئیے

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

دو سنہ ۹ھ میں غزوہ تبوک واقع ہوا۔ رسول اللہؐ کی زندگی کو صرف
ایک سال باقی ہے۔ اور یہ غزوہ، آخری غزوہ ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے۔ شدت

کی لو چل رہی ہے، اور رسالتمآب نے اپنے ساتھ چلنے کے لئے، تمام
کو حکم دیا ہے۔ لیکن حضرت علیؑ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تم مدینہ میں
کرو، اور میری جگہ رہو۔ حضرت علیؑ کبیدہ خاطر ہو کر کہتے ہیں، کیا آپ
مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جائیں گے؟ حضرتؐ جواب دیتے ہیں کیا
اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو، جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے
سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ [۱]

آخری جملہ "لا نبیّ بعدی" والا نہ ہوتا تو ہارونؑ کی منزلت کو صرف
وقتی جانشینی، اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن اس
جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں، اور بعد وفات، دونوں حالتوں میں
جناب امیرؑ کو اسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے، جو ہارونؑ کو
کے بعد حاصل ہوا۔

دنیا کو معلوم ہے کہ ہارونؑ، موسیٰؑ کے شریک کار، معاون، وزیر
جانشین تھے۔ اگر ان کی زندگی، موسیٰؑ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق
ان کے کسی کو نہ پہنچتا۔ بالکل اسی طرح، جناب امیرؑ کے لئے ثابت
ہے کہ وہ حیات و ممات، ہر حالت میں رسولؐ خدا کے جانشین تھے
اگر ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ ہارونؑ نبی تھے، اور رسول
کے بعد، سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو، نبی بھی
علیؑ کے دوسرا نہ ہوتا۔" (خلافت و امامت حصہ اول صفحہ ۳۴ تا ۳۵)

آنحضرتؐ سے جناب امیرؑ کی شان میں ایک حدیث اور بھی سننے کے

---

[۱] صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۳ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۳۹ طبری ج ۳ ص ۱۴۴ ریاض النضرہ
ص ۱۶۲ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۱۶ مواہب لدنیہ ج ا ص ۱۸۳ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۷

"یا علیؑ میرے اور تمہارے سوا، کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں کہ بحالت نجاست مسجد میں داخل ہو۔" (ترمذی۔ باب مناقب علیؑ)

۴۹: حضرت علیؑ سے ایک واقعہ میں بریدہ کا بغض اور رسولِ خداؐ کی جانب سے بغض کا انکار

بریدہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ کو خمس لینے کے لئے...... خالد کے پاس بھیجا۔ اور میں علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا۔ حضرت علیؑ نے غسل فرمایا تو میں نے خالد سے کہا۔ ان حضرت کی حرکت ملاحظہ ہو۔ میں نے آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے پوچھا۔ بریدہ! کیا تم، علیؑ سے دشمنی رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی، جی ہاں۔ فرمایا، علیؑ سے دشمنی نہ کرو۔ خمس میں ان کا حصہ اس سے زیادہ ہے" (غزوۃ الطائف حصہ دوم صفحہ ۲۴۳)

تشریح رسول اللہؐ نے ربیع الاول سنہ ۱۰ھ میں خالد بن ولید کو، یمن بھیجا کہ تبلیغ کریں، لوگوں کو مسلمان بنائیں، اور خمس وصول کریں۔ یہ ۶ مہینے تک کچھ نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر رمضان سنہ ۱۰ھ میں، حضرت علیؑ کو بھیجا۔ اپنے دست مبارک سے عمامہ باندھا۔ آپؑ نے ایسی تبلیغ فرمائی کہ بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ خصوصاً سارا ہمدان مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؑ نے رسولِ خداؐ کو خبر بھیجی۔ آپؐ سجدہ شکر بجا لائے، اور فرمایا۔ السلام علی ہمدان۔ ہمدان والوں کو میرا اسلام ہو۔

مسعودی لکھتے ہیں "رمضان میں سریۂ علیؑ بن ابیطالبؑ، ملک یمن کو روانہ ہوا۔ رسول اللہؐ نے انہیں ایک تحریر لکھ دی، جس میں اہل یمن کو اسلام کی دعوت دی تھی۔ اس تحریر سے آگاہ ہونے کے لئے، لوگ جمع ہوئے تو حضرت

علیؑ نے پڑھ کر سنا دی، اور سب کو اسلام کی دعوت دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی دن میں تمام قبیلۂ ہمدان، مسلمان ہو گیا۔ اس قبیلہ کا مسلمان ہونا تھا کہ پے در پے تمام اہلِ یمن، دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔"

(التنبیہ والاشراف مترجم ص۱۰۷)

سچ ہے۔ نیزہ، خنجر اور تیر و تفنگ سے سر جھکائے جا سکتے ہیں، لیکن اخلاقِ حسنہ سے، پتھر کے دل، سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے سوزِ دروں اور تبلیغی خوبیوں کا، وہ تیرِ نیم کش تھا جو اہلِ ہمدان کے دلوں میں ترازو ہو گیا۔

بریدہؓ کہتے ہیں۔ حضرت علیؑ کے ساتھ ۳۲۰ آدمی بھیجے گئے تھے، ان میں سے ایک میں تھا۔ اموالِ خمس میں ایک کنیز نہایت حسین تھی، جو حضرت علیؑ کے حصہ میں آئی۔ مجھے بہت ناگوار ہوا۔ میں نے کہا، خالد! ان حضرت کو دیکھو۔

پھر میں نے یہ واقعہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بیان کیا۔ آپؐ نے پوچھا، کیا تم، علیؑ سے دشمنی رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی، ہاں۔ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ فرمایا، علیؑ کی شان میں بدگمانی مت کرو، وہ مجھ سے ہے، اور میں اس سے۔ جس کا میں مولا، اس کا علیؑ مولا۔ بریدہ! ان کو دوست رکھو۔ خمس میں ان کا حصہ، ایک کنیز سے زیادہ ہے۔

بریدہؓ نے کہا۔ یہ حدیث سننے کے بعد، میرے بہترین دوست علیؑ تھے۔ میں اتنا کسی کو دوست نہ رکھتا تھا، جتنا علیؑ کو۔

(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۰۲-۵۰۳)

آج تک فرمانِ رسولؐ کی آواز بازگشت آ رہی ہے، اور ہر مسلمان کے مملکتِ دل میں، محبتِ علیؑ کا سکہ رواں ہے۔ خواہ کسی درجہ ہو

اڑ گئے حواس باختہ ہو گئے۔ آسمان دور، زمین سخت معلوم ہونے لگی
پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے کہا۔ ہم مسلمان ہیں۔ محمدؐ اور ان کے دین
پر ایمان رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ ہمارے یہاں مسجد ہے، اس
میں اذان کہتے ہیں۔ اور اقامت کہہ کر، نماز جمعہ و جماعت پڑھتے
ہیں۔

خالد نے پوچھا، ہتھیار لگا کر کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا
ہمارے اور ایک قوم کے درمیان دشمنی ہے۔ ہم کو خوف ہوا کہ کہیں
لوگ وہی ہوں۔ خالد نے کہا۔ ہتھیار کھول ڈالو۔ انھوں نے ہتھیار کھول
دئے۔ پھر خالد نے اپنے لشکریوں کو حکم دیا کہ ہر ایک کے ہاتھ
شانوں سے کس دو۔ فوجیوں نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر خالد نے
ہر فوجی کے سپرد، ایک قیدی کر دیا۔

صبح ہوتے ہی خالد نے حکم دیا کہ اپنے اپنے قیدیوں کو قتل
کر ڈالو۔ "بنو سلیم" نے اپنے قیدی قتل کر دیئے۔ لیکن انصار
والوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

"بنو جذیمہ" کے ایک شخص نے آنحضرتؐ کو خبر دی۔ آپ کو اتنا
غصہ آیا کہ تین مرتبہ کہا۔ میں خالد کے فعل سے بیزار ہوں۔

درحقیقت خالد نے وہ خون آشامی کی کہ رسول اللہؐ کا
خون کے آنسو رونے لگا۔ اور سننے والے صحابیوں کے پتے پانی ہو گئے
پھر آنحضرتؐ نے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو روپیہ
بھیج کر ہر مقتول کا خوں بہا اور نقصان کا معاوضہ دے کر راضی
اور خالد کو ملامت کریں۔

حضرت علیؑ اس قبیلہ میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اپنی بپتا اور خالد کی ستم رانی کی کہانی سنائی۔

یہ کہنا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا۔

آپؑ نے ان کو معاوضہ دیا، اور جو کچھ سامان لیا گیا تھا، سب ان کو دوا دیا۔ ان لوگوں کو راضی کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں واپس آئے۔ آنحضرتؐ عرصہ تک خالد سے ناراض رہے (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۰۶-۵-۴)

خالد نے، خلافت اوّل کے دور میں بھی، ایک قبیلہ کے ساتھ یہی برتاؤ کیا تھا۔ تاریخ کی روشنی میں، اس لرزہ براندام کر دینے والی سرگزشت کو بھی پڑھ لیجئے۔ تعجب ہے کہ رسول اللہؐ کی خفگی، اور ناراضگی سے بھی ان کے کان نہ ہوئے اور وہ کیا جو نہ کرنا چاہئے تھا۔ کیوں نہ ہو۔ پتھر پہ دوب نہیں جمتی۔

حضرت ابوبکر نے تاج خلافت سر پہ رکھا تو بہت سے قبائل عرب مرتد ہو گئے۔ بعض مسلمان تھے، لیکن بہ دست زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا کہ مسئلہ جانشینی طے ہو جانے پہ زکوٰۃ دی جائے گی۔ یہ قبیلہ "بنو یربوع" تھا۔ سردار قبیلہ "مالک بن نویرہ" رسالتمآبؐ کے دست حق پرست پہ اسلام لا چکے تھے، اور آنحضرتؐ نے انھیں کو زکوٰۃ وصول کرنے پہ مامور کیا تھا، اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کیا کرو۔ بعد وفات رسولؐ انھوں نے زکوٰۃ روک لی۔

دربار خلافت میں بحث تھی کہ کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟ حضرت عمر فرماتے تھے کہ وقت کو ٹال جانا چاہئے، مبادا قبائل عرب بھڑک اٹھیں، اور نئے فتنے اٹھ کھڑے ہوں۔ حضرت ابوبکر فرماتے تھے کہ جو رسولؐ کے زمانے میں دیتے تھے، اس میں سے جانور باندھنے کی

رسی بھی نہ چھوڑوں گا۔ اصحاب کو "مانعین زکوٰۃ" سے جنگ نامنظور تھی۔ وہ
کہتے تھے کہ یہ نماز پڑھتے، اور روزہ رکھتے ہیں۔ مسلمان ہیں، اور مسلمان
سے جہاد جائز نہیں۔

حضرت ابوبکر کے جوش کا یہ عالم تھا کہ باوجود ضعیف ہونے کے
کمر سے تلوار لگا کر، تنہا جنگ کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اور کسی کا کہنا
نہ مانا۔ خالد کی زیر کمان فوج جرار روانہ کی، اور لوگوں کو مرعوب کرنے
کے لئے ایک خط لکھا۔

"میں نے سردار فوج کو حکم دیا ہے کہ جس پر قابو پانا، زندہ جلا
آگ میں جلا دینا، عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لینا" (طبری
ج ۳ ص ۲۲۷)

علامہ حسین دیار بکری المتوفی سنہ ۹۶۶ھ اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ابوبکر، اپنے سردار فوج کو تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ تم کو دشمن پر
قدرت دے تو ان کو قتل کر دینا۔ کوئی بھاگ کے جانے نہ پائے۔ ان کو آگ میں
جلا دینا، اور ان کا مال تقسیم کر لینا۔

ایک فوجی "شریک فزاری" کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے میرے ہاتھ
سردار لشکر "خالد بن ولید" کو ایک خط بھیجا، جس میں مرقوم تھا۔
اللہ تم کو یمامہ والوں پر فتح دے تو کسی کو زندہ نہ چھوڑنا۔ بھاگنے
والوں کا پیچھا کرنا، زخمیوں کو قتل کر دینا قیدیوں کو بھی تہ تیغ کرنا، اور ان کو
آگ میں جلا دینا۔ خبردار! میرے حکم کی مخالفت نہ کرنا" (الخمیس ج ۲ ص [illegible]

علامہ ابن اثیر جزری المتوفی سنہ ۶۳۰ھ لکھتے ہیں۔

معلوم نہیں، جمہوریت پروان چڑھ رہی ہے یا پامال ہو رہی ہے۔ صرف ایک شخص کے حکم سے جنگ کا بگل بج رہا ہے۔ فوج مارچ کر رہی ہے۔ کیا یہی وہ جمہوریت ہے، جس کا ڈھول پیٹا جاتا ہے۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

"بنو یربوع" ہتھیار سج کر مقابل کھڑے ہو گئے۔ پر تول رہے تھے کہ خالد نے انداز قد پہچان لیا۔ پوچھا یہ کیا۔ سردار قبیلہ نے کہا، ہم مسلمان ہیں۔ رسول خدا کے دست فیض پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ احکام اسلامی، بجا لاتے ہیں۔ اگر تم نے تلوار نکالی تو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا۔

"قیدیوں کو خالد کے پاس لایا گیا۔ انھوں نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے، جس سے ان کے اعضاء کٹ گئے، کنووں میں الٹا لٹکوا دیا، اور پہاڑوں سے نیچے پھنکوا دیا۔ پھر ان کو جلوا دیا۔ یہ سب کرنے کے بعد، ابوبکر کو سادی کارروائی کی اطلاع دے دی"۔ (تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۳۳)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔ طلیحہ والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوا کہ سب کو زندہ جلا دیا گیا۔

"فجاءۃ سلمی" کو حضرت ابوبکر کے پاس مدینہ بھیجا گیا۔ آپ نے ان کی مشکیں بندھوائیں، پھر گڑھے میں آگ روشن کرائی، اور ان کو آگ میں پھنکوا دیا۔ وہ اس میں جل مرے"۔ (کامل ج ۲ ص ۱۳۴)

اگر میں یہ امور تحریر نہ کرتا تو تاریخی اور علمی خیانت کا مجرم قرار دیا جاتا۔ مورخ کا کام ہے بے لاگ لکھنا، کسی کی جنبہ داری نہ کرنا۔

خالد نے موقع کی نزاکت کو تاڑ لیا۔ بہت گھبرائے۔ بولے جب ہم اور تم دونوں مسلمان ہیں تو جھگڑا کیسا؟ ہتھیار کھول ڈالو۔ ان کا ہتھیار رکھو لینا تھا کہ سر پہ موت منڈلانے لگی سب گرفتار کر لیے گئے، اور قتل کا حکم دے دیا گیا۔ "عبد اللہ بن عمر اور ابو قتادہ" انصاری اور دوسرے مہاجرین و انصار نے خالد کی مخالفت کی کہ انھیں قتل نہ کرو۔ لیکن نفس امارہ کے پائے سرکش میں بیڑیاں ڈالنا، انسان کے بس کی بات نہیں۔ آخر سب کے سرو تن میں جدائی کر دی گئی۔

یہاں یہ نکتہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ خالد، سردار قبیلہ کی بیوی "لیلیٰ بنت سنان" پر عاشق ہو گئے تھے۔ زر، زن، زمین، فساد کی جڑ ہے۔ اسی لیے یہ خونیں واقعہ پیش آیا۔ اس کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حسن لیلیٰ نے جنون عشق کی آگ پر روغن کا کام کیا۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں "مالک کی بیوی، نہایت حسین و جمیلہ تھی۔ اس پر خالد کی نظر پڑ گئی، اور ریجھ گیا۔ مالک نے بیوی سے کہا، میرے قتل کا سبب تو ہے۔ اب میں ضرور قتل کیا جاؤں گا" (اصابہ۔ ج ۶ صـ ۳۷)

علامہ دیار بکری فرماتے ہیں "خالد نے اسی رات اس کی بیوی سے ہمبستری کی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ ("تاریخ خمیس۔ ج ۲ صـ ۲۳۳)

بظاہر، زکوٰۃ کی وصولی تھی۔ لیکن درپردہ مسلمانوں کے خون

ہے ہولی کھیلنا تھا کہ اس کے بغیر حسن کی دیوی "لیلیٰ" ہاتھ نہیں لگ سکتی تھی۔ پھر تو درندگی اور بہیمیت کے وہ مظاہرے ہوئے انسانیت کانپ اٹھی۔

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے
آشیاں اجڑا کیا ہم ناتواں دیکھا کئے

قتل کے بعد، مالک کے سر میں کھانا پکایا گیا۔ اس بھیانک منظر کو بھی تاریخ کی روشنی میں دیکھئے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے۔ "خالد نے مالک کے سر کو دیگچی کا چولہا بنایا۔ اس کے سر پہ عام لوگوں سے زائد بال تھے۔ اس کے سر پہ دیگچی رکھی گئی تو کھانا پک گیا، لیکن بالوں کی کثرت سے کھوپڑی تک آگ نہ پہنچی۔ اور خالد نے اس کی عورت پر قبضہ جما لیا۔" (وفیات الاعیان ج ۲ صـ۱۷)

صرف مالک کے سر کو، چولہا نہیں بنایا گیا، بلکہ سارے مقتولوں کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔

"محمد بن جریر لکھتے ہیں "خالد کے لشکر نے، قبیلہ بنی یربوع کے لوگوں کے سروں کا چولہا بنا کر کھانا پکایا۔ مالک کے سوا سب کی کھوپڑیاں جل گئیں۔ بالوں کی کثرت نے، کھوپڑی تک آگ پہنچنے نہ دی۔" (طبری ج ۳ صـ۲۴۳)

مسلمانوں کی یہ درگت کر کے محفل آرائی کی۔ ہر گوشہ لبالب "دامان باغبان و کف گل فروش" تھا۔ فضا "جنت نگاہ اور فردوس گوش" تھی۔ عجب سے آفتاب جہانتاب کی شعاعوں نے نور بخشنا،

اور زمانے نے گردش شروع کی، فرش خاکی پہ، نفس پرستی، اور بربریت
کا ایسا ننگا ناچ دیکھنا کیا معنی، سننے میں بھی نہیں آیا۔ غضب خدا کا
بہ یک جنبش لب، مسلمانوں کے خون ناحق سے، زمین گلنار ہوگئی۔

آسماں را حق بود گر خون ببارد بر زمیں

حضرت ابوبکر کو یہ دل ہلا دینے والی خبر پہنچی تو باغ باغ ہوگئے
جوش مسرت میں فرمایا "عورتیں خالد جیسا بہادر، پیدا نہیں کرسکتیں"
(کامل ج ۲ ص ۱۴۹)

ان تاریخی الفاظ کے آئینہ میں حضرت ابوبکر کی "تر دامنی" نمایاں ہے۔ کہاں ہے وہ بلند بانگ دعوی۔

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں — غالب

اس واقعہ سے مدینہ میں سنسنی پھیل گئی۔ سبط ابن جوزی
اپنی کتاب "مرآۃ الزمان" میں لکھتے ہیں۔

"خالد مدینہ آئے تو مالک کی بیوی "لیلی" بھی ساتھ تھی۔ حضرت
عمر، حضرت علیؑ، سعد بن ابی وقاص، اور حضرت ابوبکر کے بھتیجے
اور داماد، طلحہ بن عبید اللہ، حضرت ابوبکر کے پاس آئے، اور کہا،
خالد نے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ سزا ملنی چاہیئے۔ آپ نے جواب
دیا۔ خالد نے اجتہاد میں غلطی کی یعنی "خطائے اجتہادی" کی
پھر حضرت عمر نے کہا۔ مالک کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے! سنگسار کرنا
چاہیئے۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔ اللہ نے، جس تلوار کو کھینچا
ہیں اسے نیام میں نہیں کر سکتا۔

ابن واضح یعقوبی نے لکھا ہے کہ "قتادہ" صحابی نے حضرت ابوبکر سے کہا قسم بخدا! میں خالد کی ماتحتی میں نہ رہوں گا۔ انھوں نے ناکردہ گناہ مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔

خالد کی یہی داستان "کرشن کنھیا" کی داستان کو آئینہ دکھاتی ہے۔ یہی "شاہکار" تھا جس نے انھیں صدیقی دستار کا طرہ، اور چتر آب دار موتی بنا دیا۔ پھر وہ طوطی بولا کہ سب صحابہ، ان کے وقار کے سامنے "شطرنجی لبساط" کے مہرے بن گئے۔ انتہا یہ کہ حضرت عمر کی بھی نہ چلی۔

یہ قصہ، شب ہجراں، اور زلف یار کی طرح دراز ہو گیا۔ بقول سعدی شیرازی۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چناں کہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

حکایت اگر لذیذ ہو تو مزہ دے جاتی ہے۔ لگے ہاتھوں، ایک اور واقعہ سن لیجئے۔

خالد نے "یمامہ" والوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا۔ جب لشکر اسلام، یمامہ والوں کو، خالد کے پاس لایا تو انھوں نے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرایا۔ ان کو آگ میں جلوایا۔ پھر پتھروں سے کٹوایا۔ اور پہاڑوں سے نیچے پھینک دیا۔ بعض لوگوں کو کنووں میں الٹا لٹکا دیا۔ (کامل ج ۲ ص ۱۳۳)

خالد کی نفس پرستی کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ جنگ یمامہ میں بارہ سو مسلمان قتل ہوئے، اس حال میں کہ بارہ سو مسلمانوں

کی لاشیں، خاک و خون میں غلطاں، میدان جنگ میں پڑی تھیں
تمام قبائل عرب میں ماتم برپا تھا۔ لیکن انھوں نے، پرواہ نہ کرتے
ہوئے، سردار قبیلہ "مجاعہ" کی بیٹی سے شادی کی درخواست کی
اس نے انکار کیا۔ تو خالد نے کہا۔ تمھیں اپنی بیٹی کی شادی مجھ
سے کرنا پڑے گی۔ مجبوراً "مجاعہ" نے اپنی بیٹی کی شادی ان
سے کر دی۔

اس المناک حادثہ پر، حضرت ابوبکر بھی بیتاب ہو گئے
لطف سے جاتی رہی۔ غصہ میں، خالد کو عتاب آمیز خط لکھا
جس کے ہر لفظ سے خون ٹپکتا تھا۔

"اے خالد بن ولید! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تم عورتوں سے
نکاح کرتے پھرتے ہو، حالانکہ تمھارے خیمہ کے سامنے بارہ سو
مسلمانوں کا خون، زمین پر بہ رہا ہے، جس کے خشک ہونے کی
نوبت کبھی نہیں آئی۔"

لطف کی بات یہ کہ "مالک بن نویرہ" کی بیوہ "لیلیٰ" اس
جنگ میں خیمہ کے اندر موجود تھی کہ نوبستی دوسرا بیاہ رچایا،
یہ ہیں وہ حضرت خالد، جن کا تاج فخر "سیف اللہ" ہے۔
جب حضرت عمر نے، مسند خلافت کو زینت بخشی، اور سلطنت
حکومت کے مختار کل ہوئے، تو خالد کو سپہ سالاری کے عہدہ سے
ہٹا کر معمولی سپاہی بنا دیا۔ پھر تو ساری "رنگا رنگ بزم آرائیاں
وہ نقش و نگار طاق نسیاں" ہو گئیں۔ با وصف اس ہماہمی کے وہ "زینت
محفل" ہو کر رہ گئے۔ اور اسی کسمپرسی کے عالم میں جان آفریں کو

جان سونپ دی۔ بقول غالب۔

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

۵۱:۔ متعہ کی پہلی اجازت کا بیان

"جابر بن عبداللہ" اور "سلمہ بن اکوع" نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک لشکر میں تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ تم کو متعہ کی اجازت دی گئی ہے۔ پس متعہ کرو۔ (کتاب النکاح حصہ دوم صہ ۳۱۸)

۵۲:۔ متعہ کی پہلے اجازت تھی، پھر حرام ہو گیا۔

"عبداللہ" نے کہا کہ ہم لوگ نبیؐ کے ساتھ، ایسے غزوہ میں تھے کہ ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں۔ ہم نے کہا۔ ہم کیوں نہ خصی ہو جائیں؟ رسول اللہ نے، ہم کو خصی ہونے سے منع فرمایا۔ اس کے بعد ہم کو، ایک کپڑے کے عوض، عورت سے متعہ کرنے کی اجازت دی۔ پھر آپ نے تلاوت فرمائی "یا ایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم"۔

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ کرو، جنھیں اللہ نے تمھارے لئے حلال کر دی ہیں۔

پھر آپ نے تلاوت فرمائی "انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام"۔ بے شک، شراب، جوا، تیر اندازی کا جوا، اور بانسہ حرام ہے۔ (تفسیر قرآن۔ حصہ دوم صہ ۲۷۴)

تشریح کراچی سے رسالہ "شہبانہ" نکلتا تھا۔ فروری و مارچ ۵۶ء کے شمارہ میں ایک مضمون، زیر عنوان "مسئلہ متعہ" علامہ مودودی کی غلط "علمائے اسلام سے خطاب" شایع ہوا۔ وہ مقالہ مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

"میں ہجوم خیالات میں غلطاں پیچاں اور افکار سے الجھتا ہوا گذر رہا تھا کہ مسلمانوں کی بھیڑ نظر آئی جو دیوار پر چسپاں پوسٹر کی طرف نظر جمائے کچھ پڑھ رہی تھی۔ میں ٹھٹکا" اور ما تھا ٹھنکا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

نگاہ شوق اٹھی، اور چشم زدن میں سمجھ گیا کہ مولانا مودودی نے بموقع پر "متعہ" کو جائز قرار دیا ہے، اور علمائے سواد اعظم چمٹ گئے ہیں متعہ دراصل زنا ہے۔ آیئے آپ بھی ملخصاً مودودی صاحب کی تحریر جمین زار سیر کر لیجئے تاکہ حقیقت سمجھنے میں سہولت ہو۔

فرماتے ہیں "ایک جہاز کسی چیز سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ ایک عورت ایک مرد، ایک تختہ پر سوار ہو کر ساحل سے جا لگے۔ وہاں آدم نہ آدم زاد اگر دونوں کے درمیان کوئی امر نکاح سے مانع ہے تو متعہ کر سکتے ہیں

مولانا مودودی کو غلط نہی ہے۔ جو امر نکاح سے مانع ہے وہی میں بھی رکاوٹ پیدا کرے گا۔ اصل مشکلہ جہاز کے تختہ پر سوار مرد و عورت کے درمیان نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو متعہ بھی نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ زنا ہو

نکاح اور متعہ میں صرف یہ فرق ہے کہ متعہ میں مدت معین ہوتی اور نکاح میں مدت نہیں ہوتی۔ اسی لئے نکاح کو "متعہ دائمی" بھی کہتے

چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی مرحوم نے اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ

تحریر فرمایا ہے کہ نکاح میں مدت مقرر نہ کرنا، ورنہ متعہ ہو جائے گا۔

معلوم ہوا کہ مولانا ئے مرحوم بھی نکاح و متعہ میں کوئی فرق نہ جانتے تھے، سوائے مدت کے، اور یہی مطلوب ہے۔

جس طرح محرم سے نکاح نہیں ہو سکتا، ویسے ہی محرم سے متعہ بھی نہیں ہو سکتا، یعنی ماں، خالہ، پھوپھی، حقیقی بہن وغیرہ سے۔ نکاح میں عورت مرد کی رضامندی ایجاب و قبول، اور طلاق یا شوہر کے مرنے پر عدہ ضروری ہے، متعہ میں بھی یہ امور لازمی ہیں۔

زنا میں عورت و مرد کا راضی ہونا ضروری نہیں "زنا بالجبر" بھی ہوتا ہے۔ زنا میں ایجاب و قبول نہیں ہوتا، اور نہ عدت ہوتی ہے۔ محرم کے ساتھ بھی زنا وقوع میں آتا ہے۔ پھر متعہ کو، زنا کہنے کے لئے کون سی دلیل ہے "ہاتوا برهانكم ان كنتم صادقين" اگر تم دعوے میں سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ (منقول از شہباز ص۱۱)

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط (پارہ ۵ س۔ النساء۔ آیت ۲۴)

ہاں، جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو، تو جو مہر معین کیا ہے انہیں دے دو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ آنحضرتؐ ابوبکر کے زمانے میں، اور عمر کے نصف زمانہ خلافت تک برابر متعہ کرتے رہے۔ پھر عمرؓ نے نصف زمانے کے بعد یہ کہہ کر متعہ کی ممانعت کر دی کہ زمانہ رسولؐ میں دو متعے تھے۔ متعہ حج اور متعہ نساء (عورت) میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں۔ اور ان کے کرنے والوں کو سزا دوں گا۔

(تفسیر در منثور ج ۲۔ ص۱۴۰ تفسیر کبیر ج ۳ ص۲۰۰)

ابن عباس کا قول ہے کہ آیۂ متعہ، آیات محکمات سے ہے جو منسوخ نہیں ہوئی۔ (تفسیر لباب التاویل ج ۱ ص ۳۵۸)

عمران بن حصین کا بیان ہے کہ آیۂ متعہ کی منسوخ کرنے والی آیت نازل نہیں ہوئی، اور رسولؐ نے منع نہیں فرمایا۔ عمر نے اپنی رائے سے متعہ کی ممانعت کردی۔ (تفسیر غرائب التنزیل ج ۱ ص ۴۲)

تاریخ ابن خلکان میں ہے کہ متعہ حج اور متعہ نساء، آنحضرتؐ کے زمانے میں حلال تھے۔ حضرت عمر نے، اپنے دور خلافت میں یہ کہہ کر روک دیا۔ میں ان دونوں سے منع کرتا ہوں (ج ۲ ص ۳۵۹)

امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں۔ حضرت عمر نے متعہ کرنے کو منع کیا جس کا ان کو کوئی حق نہ تھا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۹)

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ اگر عمر، متعہ سے نہ روکتے تو سوائے شقی کے کوئی زنا نہ کرتا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۷)

حضرت عبداللہ بن عباس، آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، یہ عبداللہ بن زبیر کے پاس گئے تو ابن زبیر نے کہا۔ اللہ نے اس کی آنکھ اور عقل دونوں کو اندھا کر دیا ہے۔ یہ شخص متعہ کے حلال کا حکم دیتا ہے حالانکہ یہ زنا ہے، جو حرام ہے۔ دعوے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا زمانۂ رسولؐ میں متعہ حلال تھا، لیکن میں حرام کرتا ہوں۔ اب جو کوئی متعہ کرے گا، سزا دوں گا۔

ابن عباس نے فرمایا۔ اللہ نے میری آنکھوں کو اندھا کیا، اور تمہاری عقل کو۔ عمر نے متعہ کے حلال ہونے کی شہادت دی، ہم کو تسلیم ہے، لیکن اللہ اور رسولؐ کے حلال کو حرام کرنے کا ان کو کیا حق؟

پھر آپ نے فرمایا۔ ابن زبیر! تم متعہ سے پیدا ہوئے ہو۔ جاؤ اپنی ماں "اسماء بنت ابو بکر" سے "عوسجہ" کی چادروں والا قصہ پوچھو۔ ابن زبیر یہ سنتے ہی آگ بگولا ہوگئے۔ اپنی ماں کے پاس آکر کہا۔ "عوسجہ" کی چادروں والا قصہ بتاؤ۔ ورنہ قتل کردوں گا۔

انھوں نے کہا۔ عوسجہ نے آنحضرتؐ کو دو چادریں دی تھیں۔ آپ نے دونوں چادریں، تمہارے باپ زبیر کو دیدیں۔ انھوں نے مجھ سے متعہ کیا، اور دونوں چادریں مہر میں دے دیں۔ حمل رہ گیا، اور تم پیدا ہوئے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ قصہ متعہ ص۴۷۸)

شبہ عقد الفرید میں ہے۔ سب سے پہلے جو متعہ کی انگیٹھی روشن ہوئی وہ آل زبیر کی تھی (ج ۲ ص۱۱۱)

ایک روز عبد اللہ بن زبیر تلوار لے کر مکان کے دروازے پر بیٹھ گئے۔ جب زبیر نے اندر جانے کا ارادہ کیا تو یہ کہہ کر اپنے باپ کو روکا کہ تم میری ماں کے شوہر نہیں رہ سکتے۔ یہ امر میرے لئے باعث توہین ہے۔ لہذا طلاق دو (تاریخ کامل ج ۴ ص۱۴)

عروہ بن زبیر نے ابن عباس سے کہا۔ تم نے لوگوں کو گمراہ کردیا۔ انھوں نے پوچھا کیسے؟ جواب دیا۔ تم، لوگوں کو متعہ حج اور متعہ نساء کی اجازت دیتے ہو۔ حالانکہ جانتے ہو کہ حضرت عمر نے منع کردیا ہے۔ ابن عباس نے کہا۔ سخت تعجب ہے کہ میں لوگوں کو حدیث رسولؐ سناتا ہوں، اور تم مجھ سے عمر کی باتیں کرتے ہو (کنز العمال ج ۸ ص۲۹۳)

"زبیر" قوم فرعون سے قبطی النسل تھے۔ لیکن "بنو اسد بنو عبد العزیٰ" سے مشہور کر رکھا تھا۔

ملاحظہ ہو۔

۵۴: ۔ آپؐ کا سات چیزوں کو مہلک فرمانا

ابوہریرہ ناقل ہیں کہ آنحضرتؐ نے سات چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ لوگوں کے سوال کرنے پر آپؐ نے فرمایا۔ (۱) اللہ کا شریک قرار دینا (۲) جادو کرنا (۳) کسی ایسے شخص کو قتل کرنا، جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ (۴) سود کھانا۔ (۵) یتیم کا مال کھانا۔ (۶) جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ جانا (۷) پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا (کنز

الوصایا۔ حصہ دوم ص۳۳)

تشریح: شرک کی برائی میں بہت سی آیتیں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ ہے۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۝ (پ ۵ س النساء آیت ۱۱۶)

خداوند عالم مشرک کو معاف نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو چاہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والا (مشرک) سخت گمراہ ہے۔

(۲) وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰکِنَّ الشَّیٰطِیْنَ کَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ ...)

اور سلیمانؑ کافر نہ تھے۔ شیطانوں نے کفر اختیار کیا، جو لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔

(۳) وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَہَنَّمُ خٰلِدًا فِیْہَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ۝ (پ ۵۔ س النساء۔ آیت ۹۳)

اور جو شخص، کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے، اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ اس پہ خدا نے اپنا غضب ڈھایا ہے، اور اس پر لعنت کی ہے۔ اور اس کے لئے بڑا سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

(۴) قرآن مجید میں سود کا ذکر ۶ مقام پہ ہے۔ ایک آیت یہ ہے۔

"وَالَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ" (پ ۳ - س البقرہ - آیت ۲۷۵)

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر اس کا سا کھڑا ہونا، جس کو شیطان نے (اپنی) جھپٹ سے مخبوط الحواس کر دیا ہو۔

مولوی فرمان علی صاحب مرحوم، اپنے مترجم قرآن کے حاشیہ پہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اگرچہ یہاں پہ خداوند عالم نے سود کی عام طور پہ ممانعت کی ہے۔ مگر کچھ صورتیں اس کی مستثنے بھی ہیں۔ مثلاً مسلمانوں کا کفار سے لینا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ سود ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کفار کا مال، کلاً ہمارا ہے۔ ہم جس طرح چاہیں، اگر شارع نے کسی خاص عنوان کو منع نہ کر دیا ہو، لے سکتے ہیں"۔

علامہ مجددی اعلی اللہ مقامہ، سابق "اعلم" تحریر فرماتے ہیں۔

"چار شخصوں کے درمیان سود نہیں ہے۔ (۱) باپ اور اولاد (نہ کورہ) مگر نسبی اولاد، نہ رضاعی۔ (۲) شوہر و زوجہ (۳) آقا و غلام و کنیز (۴) مسلم و کافر حربی۔ بایں معنی کہ کافر سے مسلمان، سود لے سکتا ہے۔ مگر دے نہیں سکتا"۔

(تحفہ ۲۶۶ مترجمہ مولوی سید علی صاحب قبلہ۔ مطبوعہ نظامی پریس۔ لکھنؤ)

اگر غلہ کی جنس بدلی ہو تو مسلمان سے زیادہ لے سکتے ہیں۔ یہ سود نہیں ہے۔

مثلاً ایک من گیہوں دے کر اس سے زیادہ باجرہ یا اور کوئی غلہ لے سکتے ہیں،
لیکن جو، زیادہ نہیں لے سکتے، کیونکہ جو اور گیہوں، ایک جنس ہے۔ اسی طرح
باجرہ اور جوار، ایک جنس ہے۔

(۵) اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا
وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔ (پ ۴۔ س النساء، آیت ۱۰)

جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں انگارے
بھرتے ہیں، اور عنقریب (مرنے کے بعد) دوزخ میں پڑیں گے۔

(۶) جنگ سے بھاگنے کے عذاب کی بابت بھی بہت سی آیات ہیں۔
ایک آیت، جنگ "احد" کے بیان میں ملاحظہ ہو۔ (پ ۱۸ س النور)

(۷) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ
جو لوگ پاکدامن عورتوں پہ (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، جو (بیچاری
ایسی باتوں سے محض) بے خبر ہیں، اور ایمان رکھتی ہیں، ایسے لوگ، دنیا اور
آخرت میں ملعون ہیں۔ اور قیامت کے دن ان کو بڑا عذاب ہوگا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ کو بھی تہمت لگائی تھی۔ یہ واقعہ "افک" کے
نام سے مشہور ہے۔ "افک" بمعنی تہمت، بہتان۔ صحیح بخاری میں متعدد جگہ
اس کا ذکر آیا ہے۔

یہ واقعہ ۵ھ کا ہے۔ جب رسول اللہ صلعم غزوہ "مریسیع" سے واپس
آرہے تھے حضرت عائشہ، قضائے حاجت کے واسطے گئیں۔ وہاں گلو بند
گر پڑا۔ ان کو تلاش میں دیر ہوئی، اور لشکر اسلام، مدینہ کی طرف چل پڑا۔ ...

کافر حربی، جو صاحب کتاب نہ ہو۔

بن معطل، صحابی نے اپنے اونٹ پر پیچھے بٹھا کر لشکر تک پہنچایا۔ یاران حاشیہ نشین نے وہ شوشے چھوڑے، اور بری افواہ پھیلائی کہ آنحضرتؐ کو سخت صدمہ ہوا، اور آپؐ نے حضرت عائشہ سے ترک تعلق کر لیا۔ حضرت علیؑ سے مشورہ کیا تو آپ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! عرب میں، بہت سی عورتیں ہیں، ان سے شادی کر لیجئے (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۲۱۸)

حضرت عائشہ کے دل میں یہ تیر ترازو ہو گیا، جس کی خلش ہمیشہ رہی، اور زندگی بھر فریقین میں صفائی نہ ہوئی۔ اسی کا شاخسانہ، جنگ جمل تھی۔ یہیں سے اس تاریخی واقعہ کی داغ بیل پڑی۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ہم نے عائشہ کے تعلق کی وجہ سے، قتل عثمان اور جنگ جمل کے حالات بھی تحریر کئے، اور نہ یہ بھی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ...... اور چونکہ بات اردو دل میں ہو رہی تھی، عائشہ کو اس میں، دخل در معقولات مناسب نہ تھا، اور دخل بھی ایسا دخل کہ کشت و خون میں شریک۔ مگر وہی "قصۂ افک" کی یاد، بوداتے انقلابات کے، کانٹے کی طرح ابھی تک ان کے دل میں کھٹکتی تھی۔ اور خاص حضرت علیؑ کی طرف سے، ان کا بطون صاف نہ تھا۔ اور اسی کو ہم نے "ترہاہٹ" سے تعبیر کیا۔ ہم کو تو اس کے سوائے اور کوئی توجیہ سوجھ نہیں پڑی۔" (امہات الامۃ)

۵۵:۔ جو دو مسلمان لڑیں، وہ دونوں دوزخ میں میں

ابوبکرہ نے روایت کی کہ میں نے رسول اللہؐ کو فرماتے سنا۔ دو مسلمان باہم شمشیر زنی کریں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ!

قاتل کا جہنمی ہونا ٹھیک ہے مگر مقتول کی خطا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ اس نے بھی
ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا (کتاب الایمان ص۲۲)

یہ حدیث پڑھ کر فارسی کا وہ مصرع یاد آتا ہے جو زیب النساء
دختر اورنگ زیب، کی طرف منسوب ہے۔

انگشت حیرت در دہاں نیمے دروں نیمے بروں

مصیبت یہ آن پڑی کہ امام بخاری سے حسن عقیدت، اور ان کی جلالت
اجازت نہیں دیتی کہ ان سے سوءِ ظن کریں، اور ان کی لکھی ہوئی حدیث کو غلط
یا مہمل سمجھیں۔ کیونکہ ۱۶ سال کے عرصہ میں ۶ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کرکے
تیار کی۔

دوسری مصیبت یہ ہے کہ حضرت علیؓ داماد، اور خلیفہ رسولؐ ذوی
سب سے پہلے ایمان لائے۔

حضرت عائشہ بنت ابوبکر۔ رسولؐ کی چہیتی بیوی۔ احادیث کی راوی
اور دونوں بزرگ و محترم ہستیاں، جنگ جمل میں تیغ آزما۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل
قلم لرزہ بر اندام۔ کاغذ اور روشنائی گور غشہ۔ زمین و آسمان کانپ رہے
ہیں۔ خامہ "انگشت بہ دنداں" اور ناطقہ "سر بہ گریباں" ہے کہ اگر فیصلہ کریں
وقت، ان مقتدر ہستیوں میں سے کسی کی بارگاہ عالی میں سوءِ ادب ہو
تو دین و دنیا خراب ہو جائے۔ دھوبی کا کتا، گھر کا رہے نہ گھاٹ کا۔

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

علمائے کرام ہی عقدہ کشائی فرما سکتے ہیں۔ دوسرے کے بس کی بات
نہیں۔

ایک روز رسول خداؐ بیویوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے کہ
میری رحلت کے کچھ ہی دنوں بعد میری ازواج سے ایک بیوی، علیؑ سے جنگ
کرے گی، اور وہ باغی جماعت سے ہو گی۔ عراق میں ایک چشمہ "حَوْاَب" (بروزن
کتاب) ہے۔ جب وہ وہاں پہنچے گی تو کتے بھونکیں گے۔

یہ سنتے ہی حضرت ام سلمہؓ کے ہاتھ سے انار گر پڑا، اور چہرہ فق ہو گیا۔
رسول خدا نے فرمایا۔ تمہارا یہ کیا حال ہوا؟ عرض کی۔ کیا یہ سننے کے بعد، حواس
برقرار رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور کہا۔ وہ بیوی تم نہیں ہو۔ پھر حضرت عائشہ
کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے حُمیرا! کہیں وہ بیوی تم نہ ہونا؟

۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت علیؑ، سریر آرائے خلافت ظاہری ہوئے
تو عبداللہ بن سلمہ، نے مکہ میں قتل عثمان، اور خلافت حضرت علیؑ کی خبر دی۔ سنتے
ہی آپ سیخ پا ہو گئیں، کیونکہ حضرت علیؑ سے خدا واسطہ کا بیر رکھتی تھیں۔ رات، دن
عداوت کی آگ میں جلتی اور انگاروں پہ لوٹتی تھیں۔ جب دشمنی کی پیاس نہ بجھ سکی
تو خون عثمان کے انتقام کا شگوفہ چھوڑا کہ علیؑ نے قتل کرایا ہے۔ بدلہ لوں گی۔
مزہ کی بات یہ ہے کہ حضرت عثمان نے عائشہ کے سالانہ وظیفہ میں کمی کر دی
تھی، اس لئے آپ خلیفۂ وقت سے ناراض رہتیں۔ حضرت عثمان، محاصرہ میں
تھے، اور ان پہ چڑھائی تھی تو آپ، یہ کہہ کر روانہ ہو گئیں۔ "نعثل[1] کو قتل کر دو
وہ کافر ہو گیا"۔

عبداللہ نے کہا۔ آپ ہی نے کفر کا فتویٰ دیا، اور قتل کا حکم دیا تھا۔ اب انتقام

---

[1] نعثل، احمق۔ بیوقوف۔ ایک دراز ریش یہودی تھا جس کی ڈاڑھی حضرت عثمان کی
ڈاڑھی سے مشابہ تھی۔ اس لئے عائشہ نے حضرت عثمان کا نام "نعثل" رکھا تھا۔

لینے پر تل گئیں۔ آپ کا وہ فیصلہ درست تھا یا یہ؟ سوچ کر فرمایا۔ اب ...
ہوں، یہی ٹھیک ہے۔

یلائے جان ہے غالب اس کی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا

حضرت عائشہ نے حضرت ام سلمہؓ کو بھی ہم خیال بنانا چاہا۔ ...
جواب دیا۔ تم علیؓ سے جنگ کرنا چاہتی ہو۔ ابھی کل کی بات ہے کہ عثمان ...
کہتی تھیں، اور آج ان کو امیر المومنین کا خطاب دیتی ہو۔ خدا کی قسم! ...
راستہ سے ہٹ گئی ہو۔

پھر چشمہ "حواب" والا واقعہ یاد دلایا کہ میں تمہیں قسم دے کر پوچھ...
کہ رسول اللہؐ نے تمہارے واسطے یہ نہ فرمایا تھا؟ حضرت عائشہ نے ...
اور کہا۔ اب میں گھر سے نہ نکلوں گی۔ امن و امان، اور سلامتی کے ...
بہتر کوئی نعمت نہیں ہے (روضۃ الصفا ج ۲)

اس جنگ کے دو ہیرو اور تھے۔ "طلحہ بن عبید اللہ"، جو حضرت ابو...
بھتیجے اور داماد تھے۔ دوسرے "عبداللہ بن زبیر"، حضرت عائشہ ان کی ...
خالہ تھیں۔ اور ان کو متبنٰی کیا تھا یعنی گود لیا تھا۔ ماں کا نام، اسماء بنت ...
حضرت ابوبکر، حقیقی نانا تھے۔

"طلحہ" نے حضرت عثمانؓ کے خون بہا ڈرامہ میں اچھا پارٹ ادا کیا ...
دو رخی پالیسی اختیار کی تھی۔ ہیٹوں کی ڈیوٹی حضرت عثمان کی حفاظت ...
خود ڈھاٹا باندھے، خانۂ عثمان پہ تیر چلا رہے تھے۔ "یکے بام و دو ہوا" ...
کہتے ہیں۔

محمد بن ابوبکر، کے ساتھ، دو آدمی دیوار پھاند کر اندر گئے، اور حضرت ...

ہوتے پایا تو، مکہ کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر حضرت عائشہ سے لگائی بجھائی
پھر تصویر کے خاکہ میں وہ رنگ آمیزی کی کہ ان کو شیشہ میں اتار لیا۔ وہ ا
تکڑم میں یقیں ہی۔ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔ کر بلا اور نیم چڑھا۔ حضر
نے دونوں کی سازباز کو کامیابی کا پہلا زینہ سمجھا۔

لے لیجئے۔ حضرت عائشہ کا لشکر دریائے مواج کی طرح بصرہ کی طرف
دیکھئے، حضرت عائشہ چشمہ "حَوْاَب" پہ پہنچ گئیں۔ سنئے۔ کتے بھونک رہے
آپ، رہنما سے اس مقام کا نام پوچھ رہی ہیں۔ وہ کہہ رہا ہے "حَوْاَب" آپ
رہی ہیں۔ مجھے واپس لے چلو۔ مجھے حدیث رسولؐ یاد آگئی ہے۔

اس موقع پہ طلحہ دور کی کوڑی لائے۔ ۵۰ آدمیوں سے گواہی دلا دی
مقام "حَوْاَب" نہیں ہے۔ اسلام میں یہ پہلی جھوٹی گواہی تھی جو تین آدمیوں
چونکہ اس جنگ میں حضرت عائشہ "اونٹ" پر سوار ہو کر گئی تھیں اسلئے اسکو جنگ
کہتے ہیں۔ "جمل" کے معنی ہیں اونٹ۔

جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو حضرت علیؑ نے فرمایا اے زبیر! ایک
بیٹھا ہوا تھا کہ تم آنحضرتؐ کے ہمراہ میرے پاس پہنچ گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے زبیر! خدا
زبیر نے کہا۔ یا علیؑ! آپؑ نے وہ حدیث یاد دلا دی، جو میں بھول گیا تھا
اگر یہ حدیث یاد ہوتی تو ہرگز میدان میں نہ آتا۔ اب واپس جاتا ہوں۔ یہ کہ
رونے لگے، اور گھوڑے کی باگ موڑ دی (طبری فارسی ج ۴ ص ۵۰۴)

یہ جنگ روز پنجشنبہ ۱۰ جمادی الآخرہ ۳۶ھ کو واقع ہوئی۔ حضرت عائشہ کے تیرہ ہزار
قتل ہوئے۔ چار ہزار قبیلہ "ازد" کے۔ گیارہ سو قبیلہ "ضبہ" کے اور بقیہ عام قبائل کے تھے۔ حضرت
کے اصحاب میں سے ایک ہزار نے جام شہادت نوش فرمایا۔ واقعہ جمل اور جنگ صفین میں ۲ ماہ ۱۲
کا فصل تھا۔ (التنبیہ والاشراف، از مسعودی ص ۱۴۷-۱۴۸ مترجم مطبوعہ حیدرآباد دکن)

پہ گھوڑا بھگاتے ہوئے "وادی السّباع" میں پہنچے۔ عمرو بن جرموز تمیمی "نے موقع پا کر قتل کر دیا۔ (المرتضیٰ صـ۹۷ ترجمہ مسعود ذہبی صـ۱۴۱)

مثل مشہور ہے "چاہ کن را چاہ در پیش" مروان کے دل میں طلحہ سے بیر تھا۔ اس نے راستے سے کانٹا ہٹانا چاہا۔ غلام کو سامنے کھڑا کیا، اور آڑ لے کر تیر سر کر دیا۔ طلحہ کے پیر اور گھوڑے کے پیٹ میں، تیر پیوست ہو گیا۔ گھوڑا بھڑکا، اور میدان میں دوڑنے لگا۔ یہ زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اسی حال میں طائر روح "قفس عنصری کی تیلیاں توڑ کر اڑ گیا۔ (المرتضیٰ صـ۹۷۔ البدایہ صـ۲۴۷ ترجمہ مسعود ذہبی صـ۱۶)

اس طرح جنگ جمل کے دونوں ہیرو، ملک عدم کو سدھارے۔

ایں ہم رفت آں ہم رفت

دونوں بزرگ "عَشَرَہُ مُبَشَّرَہ" کے سلسلۃ الذہب، (سونے کی زنجیر) کے دو حلقے تھے۔

حضرت علیؑ نے منادی کرا دی تھی، خبردار! جو شخص جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگے، اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔ کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

جنگ "صفین" میں ۹۰ لڑائیاں ہوئیں۔ پہلی لڑائی روز چہار شنبہ، یکم صفر ۳۷ھ کو ہوئی۔ ۱۱۰ دن دونوں لشکروں کا پڑاؤ رہا۔ حضرت علیؑ کے ساتھ نوے ہزار کی جمعیت تھی، اور معاویہ کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار۔

حضرت علیؑ کے ۲۵ ہزار آدمی شہید ہوئے۔ جن میں ۲۵ ایسے صحابہ تھے، جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ معاویہ کے ۴۵ ہزار آدمی قتل ہوئے۔ مقتولین کی مجموعی تعداد ۷۰ ہزار (التنبیہ والاشراف مترجم صـ۱۴۸-۱۴۹)

زخمی کے سر و بدن میں جدائی نہ کی جائے۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے، یا در
بند کر کے گھر میں بیٹھ جائے اس کو امان دی جائے۔ (انوار اللغۃ پ ا
منتخب کنز العمال ج ۲ ص ۲۱۵)

یجیے، جنگ چھڑ گئی۔ وہ دیکھئے! "مالک اشتر" حملہ کر رہے ہیں جنگ
درہم برہم ہو رہی ہیں۔ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہیں۔ آئیں! دیکھئے!
حضرت عائشہ کے ناقہ کے پاس پہنچ گئے۔

ایک ہی حملے میں ناقہ کو پے کر دیا، اور ہودج زمین پر آرہا۔ حضرت علی
آواز دے رہے ہیں! محمد! بڑھو۔ قدم تیز کرو۔ اپنی بہن، اور ناموس رسول
بچاؤ! خبردار! کوئی غیر مرد، محمل کے قریب نہ جلئے۔ محمد نے بڑھ کر ہودج
میں ہاتھ ڈال دیا۔ حضرت عائشہ نے غیض میں کہا۔ خداوندا! اس کو جلا
محمد نے کہا۔ بہن! یہ بھی کہہ دو کہ دنیا کی آگ سے۔

محمد، بہن سے کہہ رہے ہیں کہ آپ نے بار بار، رسول اللہ کو کہتے سنا
"علی مع الحق والحق مع علی"۔ علی حق کے ساتھ ہیں! اور حق علی کے ساتھ۔ پھر آپ جنگ
میں کیوں نکل پڑیں؟

شمس العلماء مولوی نذیر احمد مرحوم، اپنی کتاب "امہات الامۃ" میں
فرماتے ہیں۔

"عائشہ علی کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں۔ علی مسند خلافت
پر جم کر بیٹھنے نہیں پائے تھے کہ قاتلان عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے
علی پر فوج کشی کر بیٹھیں۔ گویا علی نے عثمان کو قتل کیا یا کرایا ہے۔

چند صفحوں کے بعد لکھتے ہیں:-

"عائشہ اور علی میں جو کدورت تھی، اور اسی کدورت کی وجہ سے

جنگ جمل کا وقوع ہوا تھا۔ جس میں طرفین کے ۳۰ ہزار آدمی مارے گئے تھے، اور مقتولین، عوام الناس نہیں، بلکہ اکثر صحابی اور عُبّاد و حُفّاظ۔

اہلسنت بے تامل کہہ دیں گے کہ علیؑ اور عائشہ میں کچھ بھی رنجش نہ تھی۔ لوگوں کے بہکانے سکھانے سے، دونوں لشکروں میں اتفاقیہ مٹھ بھیڑ ہوگئی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ اہل سنت کا یہ کہنا، محض اس غرض سے ہے کہ عائشہ اور علی کے مذہبی تقدس میں فرق نہ آئے۔ لیکن جو حقیقت الحال سے واقف ہے، وہ جانتا ہے"۔

جماعت اسلامی کے بانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں۔

"حضرت علی سے بڑھ کر، اس زمانہ میں کون شریعت کا جاننے والا تھا۔ انھوں نے صاف الفاظ میں، حضرت عائشہ کو لکھا کہ آپ کا یہ اقدام، حدود شریعت سے متجاوز ہے۔ اور حضرت عائشہ اپنے کمال درجہ کی ذہانت و فقاہت کے باوجود، اس کے جواب میں کوئی دلیل پیش نہ کرسکیں۔

حضرت علیؑ کے الفاظ یہ تھے کہ "بلاشبہ، آپ اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر، غضبناک ہو کر نکلی ہیں۔ مگر آپ ایسے کام کے پیچھے پڑی ہیں جس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ڈالی گئی۔ عورتوں کو آخر جنگ اور اصلاح بین الناس سے کیا تعلق؟ آپ، عثمان کے خون کا دعوے لے کر اٹھی ہیں۔ مگر میں سچ کہتا ہوں کہ جس شخص نے آپ کو اس بلا میں ڈالا، اور اس معصیت پر آمادہ کیا وہ آپ کے حق میں، عثمان کے قاتلوں سے زیادہ گنہگار ہے۔

دیکھئے، اس خط میں سیدنا علی علیہ السّلام، حضرت عائشہ کے فعل کو صریحاً خلاف شرع، قرار دے رہے ہیں۔ مگر حضرت عائشہ، اس کا کوئی جواب اس کے سوا نہ دے سکیں، "معاملہ اب حد سے اتنا گذر چکا ہے کہ عتاب و ملامت

سے کام چل سکے۔"

پھر جنگِ جمل کے خاتمہ پہ حضرت علیؑ، ام المومنین سے ملنے تشریف لے گئے تو فرمایا، "اے ہودے والی! اللہ نے آپ کو گھر بیٹھے کا حکم دیا تھا، اور آپ لڑنے کے لئے نکل پڑی ہیں۔" مگر اس وقت بھی حضرت عائشہ نہ کہہ سکیں کہ اللہ نے ہم عورتوں کو گھر بیٹھنے کا حکم نہیں دیا! اور ہمیں سیاست و جنگ میں حصہ لینے کا حق ہے۔

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ خود نبیؐ نے حضرت عائشہ کو "فتنہ پرور" کہہ دیا تھا۔ ابن قتیبہ کی روایت ہے کہ بصرہ کے راستے میں جب حضرت عائشہ "حَوْاَب" کے مقام پہ پہنچیں تو کتے بھونکتے ہوئے ان کے ہودے کی طرف لپکے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا، یہ کون سا مقام ہے؟ محمد بن طلحہ نے عرض کیا، "حَوْاَب"۔ حضرت عائشہ نے فرمایا۔ اب میں آگے نہیں جا سکتی۔ مجھے یہیں سے پلٹنا ہے۔ پوچھا، کیوں؟ فرمایا، میں نے رسول اللہ کو، اپنی بیویوں سے یہ کہتے سنا ہے کہ تم میں سے کسی پہ "حَوْاَب" کے کتے بھونک رہے ہیں۔ پھر آپؐ نے مجھ سے خطاب کر کے فرمایا، خبردار اے حُمیرا! کہیں وہ تم ہی نہ ہو۔ آخر کار حضرت عائشہ کو قسم کھا کر یقین دلایا گیا کہ یہ مقام "حَوْاَب" نہیں ہے۔ تب وہ آگے چلنے پہ راضی ہوئیں۔

ابن قتیبہ کہتا ہے کہ یہ پہلی جھوٹی شہادت تھی جو اسلام میں دی گئی۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ آخر کار، حضرت عائشہ خود اپنے فعل پہ پچھتاتی رہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر، اپنی کتاب "استیعاب" میں یہ روایت لائے ہیں کہ ام المومنین نے عبد اللہ بن عمر سے شکایتہً فرمایا۔ "اے عبد الرحمن! تم نے کیوں نہ مجھے اس کام پہ چلنے سے منع کیا۔ انھوں نے جواب دیا۔

میں نے دیکھا کہ ایک شخص (عبداللہ بن زبیر) آپ کی رائے پر حاوی ہو گیا ہے۔ مجھے امید نہ تھی کہ آپ، اس کے خلاف، چل سکیں گی۔ اس پر ام المومنین نے فرمایا۔ کاش!! تم مجھے منع کر دیتے تو میں نہ نکلتی۔"

حضرت علیؑ نے ٹھان لیا تھا کہ رسولؐ نے اسلام کا جو چراغ روشن کیا ہے، اُسے بجھنے نہ دیں گے، خواہ کتنی ہی مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ سربلندی اسلام کی راہ میں جو خارزار ہو گا، اس کا ستھراؤ کر دیں گے۔

حضرت عائشہ، حسنین علیہما السّلام سے بھی کدورت رکھتی تھیں۔ انتہا یہ کہ نانی ہوتے ہوئے، نواسوں سے پردہ کرتی تھیں۔ "سید الافغانی" کی زبانی سنئے۔

ہم کہیں گے تو شکایت ہو گی

دیکھئے، اس راہ میں ان کے قلم نے کیا کیا گل نچھاور کئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔
"علیؑ سے عائشہؓ کے مغائرانہ سلوک کی حد یہ تھی کہ وہ ان کے فرزندوں، حسنؑ و حسینؑ سے کبیدہ خاطر رہتیں۔ چنانچہ آپ، حسنؑ و حسینؑ سے پردہ کرتیں، حالانکہ یہ دونوں، ان کے شوہر، پیغمبرؐ خدا کے نواسے تھے۔ نہ عائشہ ان کیلئے حلال تھیں، اور نہ یہ دونوں، عائشہ کے لئے حلال تھے۔

دنیا جانتی ہے کہ کسی مرد کی بیوی، نہ تو اس کے لڑکے کے لئے جائز ہے، نہ پوتے کے لئے، نہ نواسے کے لئے، یہ بات حضرت عائشہ، بہت اچھی طرح جانتی تھیں، پھر بھی وہ ان سے پردہ کرتیں۔ اگر کبھی بات بھی کرنا ہوتی تو پردے کے پیچھے سے کرتیں۔ ان سے انتہائی دوری اور بے تعلقی ظاہر کرتیں۔

حضرت علیؑ کی وفات، اور حکومت سے کنارہ کشی کے بعد، حسنؑ کی آخری خواہش یہ تھی کہ اپنے نانا کے پاس دفن ہوں۔ یہ تمنا ان کی، کوئی ناجائز بنا نہ تھی۔ انھیں اس بات سے محروم ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ وہ سروں کی بہ نسبت، پیغمبرؐ سے قریب ترین تھے۔ دختر پیغمبرؐ کے بعد، سب سے قریبی رشتہ دار تھے۔ لیکن سیاسی ہوا و ہوس، نہ تو حق کے آگے جھکتے ہیں، اور نہ کسی منطق کے آگے۔" (عائشہ والسیاسۃ ص ۳۱۸ مطبوعہ مصر)

حضرت عائشہ نے، امام حسنؑ کو مزار رسولؐ میں دفن ہونے سے منع کیا، اور کہا۔ جس کو میں پسند نہیں کرتی، اسے میرے گھر میں دفن نہ کرو۔ ان کے دفن ہونے سے ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو جاؤں گی" (شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۱۸، ابو الفدا ج ا ص ۱۹۲، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲)

حضرت عائشہ کی تجلی کردار، جن عقیدت مندوں کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرتی ہے۔ وہ جذبات کی وادی سے ہٹ کر سوچیں کہ یہ امور، ان کی روشن پیشانی پہ کلنگ کا ٹیکہ ہیں کہ نہیں؟ اور کیا عدالت و انصاف کی دنیا میں، ان کو سراہا جا سکتا ہے؟

۵۶:۔ اصحاب کا کافر ہو جانا

جریر بن عبد اللہ نے روایت کی کہ رسول اللہؐ نے، حجۃ الوداع میں مجھے لوگوں کو خاموش کرنے کا حکم دیا۔ جب لوگ خاموش ہو گئے تو فرمایا، میرے بعد کافر ہو کر، ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا۔ (کتاب الایمان ص ۴۷)

۵۷:۔ قیامت کے روز، ایک جماعت کی آپ اپنے اصحاب جان کر انکی سفارش کرنا چاہیں گے لیکن انکے مرتد ہو جانے کی وجہ سے منظوری نہ ہوگی۔

(جبر الامت۔ مفسر قرآن) حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ رسول خداؐ نے اصحاب کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ بروز قیامت برہنہ سر، برہنہ اور بے ختنہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔
کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ۔

جس طرح ہم نے (مخلوقات کو) پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح) دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ وہ وعدہ ہے، جس کا کرنا ہم پہ لازم ہے۔ اور ہم اسے کرکے رہیں گے (پ ۱۷ س الانبیاء۔ آیت ۱۰۴)

پھر ارشاد فرمایا۔ بروز قیامت، سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ میرے چند اصحاب بائیں جانب روک لئے جائیں گے۔ میں کہونگا۔ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ جواب دیا جائے گا۔ یہ آپؐ سے جدا ہونے کے بعد پھر کافر ہو گئے۔ پھر میں وہی کہوں گا کہ جو نیک بندے عیسیٰؑ نے کہا تھا۔
"وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ" (پ ۷ س المائدہ۔ آیت ۱۱۷)
اور جب تک میں ان میں رہا، ان کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ (کتاب بدء الخلق حصہ دوم ص ۱۰۱)

۵۸:۔ قیامت میں بعض اصحاب کا آپؐ کے خلاف نکلنا

ابوہریرہ نے۔ رسول خدا کا قول نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا۔ میں روز قیامت، ایک مقام پر کھڑا ہوں گا۔ میرے پاس ایک جماعت آئے گی۔

جس کو میں پہچان لوں گا۔ پھر میرے اور ...... ان کے درمیان، ایک آدمی
آکر کہے گا۔ تشریف لائیے۔ میں پوچھوں گا، کہاں؟ جواب دے گا، دوزخ کی طرف
قسم بخدا!! (ان کو دیکھ کر) کہوں گا۔ یہ ان کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا۔
آپؐ کے بعد یہ لوگ، اپنے دین کی طرف لوٹ گئے۔ (کافر ہو گئے)
پھر دوسری جماعت، نظر پڑے گی۔ ان کو بھی پہچان لوں گا، میرے
اور ان کے درمیان، ایک شخص آکر کہے گا۔ آئیے۔ پوچھوں گا؛ کہاں؟ کہے گا،
جہنم کی طرف۔ خدا کی قسم!! میں پوچھوں گا، ان کی یہ درگت کیوں ہے؟ کہے
یہ آپؐ کے بعد، اپنے دین کی طرف، لوٹ کر مرتد ہو گئے۔ (آنحضرتؐ نے فرمایا)
میرے خیال میں بقدر گم شدہ چوپائے کے نجات پائیں گے۔ (یعنی بہت کم)
تہذیب الاستیذان۔ حصہ دوم صفحہ ۳۹۳)

تشریح

"ابو الطفیل عامری" کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؑ
کو فرماتے سنا۔ لوگوں نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی، حالانکہ بخدا!! میں اس
خلافت کا، ان سے زیادہ مستحق تھا۔ میں نے اس خوف سے خاموشی اختیار
کی کہ مبادا، لوگ کافر ہو کر، ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں۔

(اخطب خوارزم)

جناب رسالتمآبؐ نے شہدائے احد کی بابت فرمایا۔ میں ان کا گواہ
ہوں۔ حضرت ابوبکر نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! کیا ہم آپؐ کے بھائی
نہیں ہیں؟ ہم اسلام لائے۔ جیسے یہ اسلام لائے۔ انھیں کی طرح ہم نے
بھی جہاد کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا بے شک! لیکن معلوم نہیں، میرے بعد
کیا گل کھلاؤ گے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت ابوبکر زار و قطار رونے لگے پھر
عرض کی، کیا ہم آپ کے بعد، رہیں گے؟ (موطا امام مالک صفحہ ۱۶۴)

وفاء الوفا ج ۲ ص ۱۱۱

حضرت ابو ذرؓ سے ارشاد ہے۔ میں رسول اللہؐ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھے اپنی امت کے متعلق، دجّال کے علاوہ، اور لوگوں سے زیادہ خوف ہے۔ اسی طرح تین بار فرمایا۔ میں نے عرض کی، وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا۔ گمراہ کرنے والے پیشوا یان مذاہب (مسند احمد حنبل ج ۵ ص ۱۴۵)

حضرت حذیفہ بن یمان نے بیان کیا کہ آنحضرتؐ کے سامنے، دجّال کا ذکر چھڑ گیا تو آپؐ نے فرمایا۔ میرے خیال میں، تم میں بعض لوگ ایسے ہیں، جن کا فتنہ، دجّال کے فتنہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۹)

میرے بعد ایسے سرداران قوم ہوں گے کہ اگر ان کی اطاعت کرو گے تو تم کو کافر بنا دیں گے۔ ان کی نافرمانی کرو گے تو، تم کو قتل کر ڈالیں گے۔ کفر کے پیشوا، اور گمراہی کے سردار ہوں گے (کنز العمال ج ۷ ص ۲۹)

حدیث ہے۔ میرے اصحاب، ستاروں کے مثل ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اصحاب، خود مرتد و کافر ہو گئے تو کیسے ہدایت کر سکتے ہیں؟

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

۵۹۔ رسول خدا کا بوقت وفات قلم دوات طلب کرنا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ سخت بیمار ہوئے تو قلم، دوات مانگا۔ آپؐ وہ امر لکھنا چاہتے تھے کہ آپ کے بعد، امت گمراہ نہ ہو۔

حضرت عمر نے مخالفت کی اور کہا۔ آپ پر بیماری کا غلبہ ہے۔ ہمارے پاس کتاب خدا ہے، جو ہماری ہدایت کے لئے کافی ہے۔ اس پر لوگوں میں اختلاف ہوا، اور بہت شور وغل ہونے لگا۔ آنحضرتؐ نے غصہ ہو کر فرمایا۔ میرے پاس سے دور ہو۔ میرے پاس جھگڑا کرنا، اور شور غل مچانا زیبا نہیں (کتاب الایمان صفحہ ۴۵-۴۶)

۶۰۔ وصیت رسولؐ خدا

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جمعرات کا دن۔ کون سا جمعرات کا دن۔ یہ کہہ کر اتنا روئے کہ آنسوؤں سے سنگریزے تر ہو گئے پھر فرمایا۔ جمعرات ہی کو رسول اللہ کی بیماری سخت ہو گئی تھی (اس دن) آپ نے فرمایا تھا۔ میرے پاس کاغذ لاؤ۔ تم کو ایسی چیز لکھ دوں کہ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ لیکن لوگوں نے جھگڑا شروع کر دیا حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔ اور کہنے لگے (معاذ اللہ) رسولؐ بکواس کر رہے ہیں۔

آنحضرتؐ نے غصہ ہو کر فرمایا۔ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دو۔ مجھے جس طرف بلاتے ہو، میں اس سے بہتر حالت میں ہوں (بخاری شریف حصہ دوم صفحہ ۶۸-۶۹)

تشریح رسولؐ کے سرہانے، پائیں، اور ارد گرد، دھما چوکڑی مچی تھی۔ ہر ایک زلف یار کی طرح، کنی کاٹ رہا تھا۔ سب نے نبیؐ کو نبی کر دیا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی تھیں۔ کوئی کہتا "قلم دوات دے دو۔ کوئی کہتا مت دو۔ وہ شور کہ کان پڑی آواز

رہی تھی۔ اس حمام میں سب ہی ننگے تھے اِلّا ماشاء اللہ۔ فضا میں ایک آواز گونجی "یہ ہذیان بک رہے ہیں۔ ہم کو کتاب خدا کافی ہے" یہ تھی آواز حضرت عمر کی یہی حضرت، سب سے زیادہ "کف در دہن" اور "آتش زیر پا" تھے۔

ان دکھی باتوں سے رسول اللہؐ کے قلب و جگر پر جو بیت رہی تھی، اس کا اندازہ مشکل ہے۔ جس پر گذرتی ہے، وہی جانتا ہے۔ خصوصاً جبکہ "مار آستین" بن کر ڈسا جائے۔

قرآن کا ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا" (پ ۲۶ سورۃ الاحزاب۔ آیت ۵۷)

بے شک! جو لوگ، اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دیتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے، اور ان کے لئے ذلت آمیز عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

ابھی رسولؐ کی آنکھ بند نہ ہوئی تھی، اور منکا نہ ڈھلا تھا کہ اسلام کا رنگ روپ بدل گیا۔ اس کی زندگی کی نبضیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ چاندنی جوت اور پھول میں باس نہ رہ گئی۔ اسی وقت سے اسلام، زوال آمادہ نظر آنے لگا۔ شیطانی فتنے جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئے۔

شور و غل کرنا، اور چلانا کوئی نئی بات نہیں۔ سنہ ۹ھ میں بھی ایک واقعہ ایسا ہی پیش آیا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں "بنو تمیم" نے عرض کی کہ ہم پر کسی کو امیر بنا دیجئے۔ حضرت ابوبکر نے "قعقاع بن معد" کی سفارش کی۔ حضرت عمر نے "اقرع بن حابس" کے متعلق کہا۔ یہ بات، حضرت ابوبکر کو ناگوار ہوئی۔ فرمایا۔ عمر! تم ہمیشہ میری کاٹ میں رہتے ہو۔ حضرت عمر نے کہا۔ میں نے ان کو بہتر جانا۔ سفارش کر دی۔ اس بحثا بحثی میں کافی آواز بلند ہوئی۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ" (پ ۲۶ س الحجرات آیت ۱) اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کیا کرو۔

(تفسیر درمنثور ج ۶ صفحہ ۸۴۔ صحیح بخاری پ ۲۰ صفحہ ۳۴۸ مدارج النبوۃ ج ۲ صفحہ ۳۲۶ ہم)

رسول اللہؐ کے سامنے چلانا اور زور سے بولنا، سوءِ ادب اور خلاف تعظیم ہے قرآن مجید نے سختی اور شدت سے ممانعت کی ہے، اتنی سخت تہدید کہ تمہاری اس حرکت سے سارے اعمال، اکارت جائیں گے، اور کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" (پ ۲۶ س الحجرات۔ آیت ۲)

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں، پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولا کرتے ہو، ان کے روبرو، زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو کہ) تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے، اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

ہائے چھوٹا منہ بڑی بات۔ کس زبان سے کہوں، اور کس سے کہوں کہ اس آیت کی روشنی میں، رسولؐ کے سامنے چلانے اور شور و غل کرنے والوں کے سارے اعمال اور عمر بھر کا کارنامہ نسیاً منسیاً ہو گیا۔

بنے کیوں کر کہ ہے سب کار الٹا
(مومن)
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

حدیث کے الفاظ ہیں "فَقَالُوْا اَهَجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" لوگوں نے کہا (معاذ اللہ) رسولؐ، بکواس کر رہے ہیں۔

کلام پاک میں ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا" (پ ۱۹ س الفرقان آیت ۳۰)

اور (قیامت کے دن) پیغمبرؐ عرض کریں گے۔ اے میرے پروردگار! میری

ت نے اس قرآن کو بکواس سمجھا (نسخہ کیمیا۔ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور)

امام غزالی فرماتے ہیں "آنحضرتؐ نے سخت بیماری کے وقت، کاغذ، قلم دوات مانگا کہ ہدایت نامہ لکھدیں، تاکہ خلافت و امارت کا مسئلہ طے ہو جائے، اور آپ کے بعد جھگڑا نہ ہو۔ مگر حضرت عمر نے کہا۔ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔" (سرالعالمین صہ ۹ مطبوعہ بمبئی)

قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ آپؐ تحریر کے ذریعہ، امر خلافت طے کرنا چاہتے تھے، تاکہ اپنے بعد ایک خلیفہ مقرر کر دیں۔" (کتاب الشفا صہ ۳۰)

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی لکھتے ہیں "حضرت عمر نے رسول خدا پر ہذیان کا بہتان باندھا۔" (شرح نہج البلاغہ ج ا صہ ۳۴ مطبوعہ ایران)

علامہ دیار بکری کہتے ہیں "ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ہذیان کا بہتان باندھنے والے حضرت عمر تھے۔" (تاریخ خمیس ج ۲ صہ ۱۸۲ مطبوعہ مصر)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "آنحضرتؐ نے شدت بیماری کے وقت کاغذ اور قلم دوات طلب کیا۔ لوگوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے کہا۔ جو چیز مانگتے ہیں، دے دینا چاہیئے۔ دوسرے نے کہا۔ نہ دینا چاہیئے۔ اسی گروہ میں حضرت عمر بھی تھے۔ حضرت عمر نے یہ بھی کہا۔ منافقین خیال کریں گے کہ آنحضرت ہذیان بک رہے ہیں۔ ہم کو تو کتاب خدا کافی ہے۔

دونوں پارٹیوں میں اتنا سخت اختلاف ہوا کہ شور و غل ہونے لگا۔ حضرت نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ۔ رسولؐ کے پاس جھگڑنا، اور شور و غل کرنا مناسب نہیں ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صہ ۵۴۲)

حضرت جابر انصاری سے منقول ہے کہ رسول خدا نے اپنی موت کے وقت کاغذ مانگا تھا تاکہ ایسی باتیں لکھدیں کہ لوگ آپؐ کے بعد گمراہ نہ ہوں۔ حضرت عمر نے مخالفت کی۔ (مگر کوئی شخص کاغذ لے آیا) اور عمر نے کاغذ پھاڑ کر پھینک دیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۴۶ مطبوعہ مصر)

شمس العلماء مولوی نذیر احمد نے اس موقع پر "امہات الامۃ" میں
کیا موتی لٹائے ہیں۔ "پیغمبر صاحب نے آنکھ کھولی، حضرت علیؑ کو کھڑا دیکھا
فرمایا "اِئْتُوْنِیْ بِقِرْطَاسٍ لِاَکْتُبَ لَکُمْ کِتَابًا لَّنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ"
میرے پاس کاغذ لاؤ کہ میں تمہیں وہ بات لکھ دوں، جس کی وجہ سے تم
میرے بعد کبھی جادۂ مستقیم سے منحرف نہ ہو۔ اس پر حاضرین میں ہوا اختلاف۔ بعض
نے کہا۔ وصیت لکھوا لینی چاہئے۔ اور بعض میں بڑے وزن دار بات کے دھنی عمرؓ
منع کیا۔ اور کہا "حَسْبُنَا کِتَابَ اللّٰہِ" ہم کو کتاب اللہ کافی ہے۔ اس پر پیغمبر صاحب
نے ناخوش ہو کر، سب کو اپنے پاس سے اٹھوا دیا۔ پھر پیغمبرؐ نے نہ تو وصیت کا خیال
فرمایا۔ اور نہ قضا نے ان کو مہلت دی۔

حضرت عائشہ، شروع علالت سے تا دم مرگ، پاس سے نہ کھسکیں۔
واقعہ قرطاس نے بھانڈا پھوڑا کہ اول دن سے رکاوٹ کی کھچڑی، خلافت کے
پک رہی تھی۔ خلافت کے سوا، کون سا ایسا ضروری مطلب ہو سکتا تھا جس کے
احتضار کی حالت میں، صورت سوال بن کر پیغمبرؐ صاحب کو وصیت کی تکلیف دیتا۔
بات پھر بھی گول مول رہی۔ علیؑ نے سامنے جا کھڑے ہونے کے سوا منہ سے
کچھ نہ کہا۔ پیغمبر صاحب نے بھی، جس کے لئے کاغذ منگواتے تھے، کچھ صراحت نہ فرمائی
کہ کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ مگر جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی
انھوں نے دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا، اور مزاحمت کی تو
یہ کی کہ ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ اور چونکہ اس وقت پیغمبرؐ صاحب کے حواس
بر جا نہیں، کاغذ اور قلم دوات کا لانا کچھ ضرور نہیں۔ خدا جانے کہ کیا لکھوا دیں۔

شمس العلماء مولانا شبلی لکھتے ہیں۔

"بیماری کا مشہور واقعہ، قرطاس کا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپؐ نے وفات
سے تین روز پہلے، قلم اور دوات طلب کیا، اور فرمایا کہ میں تمھارے لئے ایسی چیز لکھ دوں گا
کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے، لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرت
پر درد کی شدت ہے، اور ہمارے لئے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعض نے کہا
کہ رسولؐ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) روایت میں "ہجر" کا لفظ ہے،
جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔" (الفاروق صلا۶)

۶۱:۔ آپؐ کا ترکہ تقسیم نہ کئے جانے کی وصیت

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا۔ میرے ورثاء، دینار و درہم
تقسیم نہ کریں۔ (میرا ترکہ نہ لیں) میری بیویوں کے نان و نفقہ، اور ملازموں کی تنخواہ
کے بعد جو کچھ بچے، وہ صدقہ ہے (مسلمانوں پر خرچ کیا جائے) کتاب الوصایا،
حصہ دوم ص۲۳)

۶۲:۔ انبیاء کے مال کا کوئی وارث نہیں

حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے،
جو بچ جائے، وہ صدقہ ہے۔ آنحضرتؐ اپنے اہل پر، سال بھر تک خرچ کرتے تھے۔
جو کچھ بچ جاتا، اسے لے کر مال خدا قرار دیتے، اور راہ خدا میں صرف کرتے۔ پھر حضرت
عمر نے ان اصحاب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا جو موجود تھے۔ میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا
ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تم کو رسول اللہؐ کے اس قول کا علم
نہیں؟ سب نے کہا۔ بے شک کہا ہے۔ حاضرین میں علیؑ، عباس، عثمان، عبدالرحمن
بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاص تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے، حضرت علیؑ اور

حضرت عباسؓ کا واقعہ، اور ان کی باہمی نزاع کا قصہ بتایا، جس کا ذکر ہمارے
ضروری نہیں (فضل الجہاد، حصہ دوم ص۷۲-۷۳)

تشریح: حضرت عمر سے تعجب اور سخت تعجب ہے۔ رسولؐ مقبول نے
کاغذ اور قلم دوات مانگا تو کہہ دیا "ہم کو کتاب خدا کافی ہے"۔ رسولؐ کے ارشاد
کی ضرورت نہیں۔ آج قرآن کو پس پشت ڈال کر، حدیث کی آڑ لی جا رہی ہے۔
حدیث بھی وہ، جس کے راوی صرف حضرت ابوبکر ہیں۔ چنانچہ علامہ ابی الحدید کہتے ہیں
"بڑی مشکل یہ ہے کہ بڑے بڑے محدثین نے، اکثر روایتوں میں یہ کہا ہے کہ
اس حدیث کے راوی، صرف حضرت ابوبکر ہیں"۔ (شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص۸۲)

حضرت عائشہ کہتی ہیں "لوگوں نے آنحضرتؐ کی میراث میں اختلاف کیا
میرے باپ ابوبکر کے سوا، کسی کو اس حدیث کا علم نہ تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہا
میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے، ہم گروہ انبیا کسی کے وارث ہوتے ہیں
نہ کسی کو وارث بناتے ہیں۔ ہم جو کچھ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ صدقہ ہے (تاریخ الخلفا
ص۵۴)

دیکھئے اجماع و شوریٰ رخصت، ضرورت کے مطابق قانون تیار۔ حضرت
ابوبکر نے، صرف اپنے اجتہاد پر عمل کیا، اور قرآن کو منسوخ کر دیا۔

علامہ فخرالدین رازی فرماتے ہیں "ایک شخص کے حدیث بیان کر دینے سے
قرآن کا منسوخ کر دینا جائز نہیں"۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص۳۸)

قرآن کا ارشاد ہے "وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ" (پ ۵ س النساء۔ آیت ۳۳)

اور جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں تو، ہم نے ہر ایک فرقہ والے کا اس
کے حق ٹھہرا دئے ہیں۔

اس آیت میں میراث کا حکم، عام ہے، کہیں ذکر نہیں کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ کسی عدالت میں یہ مقدمہ جائے، فیصلہ یہی ہوگا کہ حدیث "خانہ ساز" ہے، کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے "جو حدیث، قرآن کے مطابق ہو، اس پہ عمل کرو، اور جو مخالف قرآن ہو، اس کو چھوڑ دو" یہ حدیث، خلاف قرآن ہے۔ لہذا ٹکسال باہر۔ کھوٹے سکّے کی کیا وقعت؟

حدیث میں ہے کہ حضرت عمر نے حاضرین مجلس کو قسم دے کر پوچھا تو سب نے اس کی صحت کا اقرار کیا، جن میں حضرت علیؑ اور حضرت عباسؓ بھی تھے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ دونوں حضرات نے اس حدیث کا انکار کیا، جس کی شکایت خود حضرت عمر نے کی۔ چنانچہ اس موقع پر، حضرت عمر نے کہا۔ جب ابوبکر خلیفہ ہوگئے تو تم دونوں، آنحضرتؐ کی میراث طلب کرنے آئے۔ انھوں نے حدیث رسولؐ سنائی کہ ہم نہ وارث ہوتے ہیں، اور نہ کسی کو وارث بناتے ہیں، تو تم نے ان کو جھوٹا، خطاکار، دھوکہ باز اور خائن کہا۔ (صحیح مسلم ج ۲ کتاب الجہاد ص ۹۱)

علماء نے ایک بات پتہ کی کہی ہے کہ وراثت کا تعلق جناب فاطمہؑ اور جناب عباس سے تھا۔ آنحضرتؐ یہ حدیث ان سے فرماتے، کیونکہ یہی حضرات "وارثانِ رسول" تھے، اس حدیث کا حضرت ابوبکر سے کیا واسطہ؟ جو ان کو سنا گئے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جن کو سنانے کی ضرورت ہو، ان کو نہ سنائیں، اور غیر متعلق شخص کو سنا جائیں (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳ تفسیر نیشاپوری ج ۴ ص ۱۹۶)

تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو، حدیث ہے "لا نورث ولا نورث" نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، اور نہ کسی کو وارث بناتے ہیں۔ لیکن قرآن کا فیصلہ کے خلاف ہے۔ "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ" (پ ۱۹۔ س النمل۔ آیت ۱۶) سلیمانؑ، وارث ہوئے داؤدؑ کے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان، دونوں باپ بیٹے نبیؑ۔ داؤد نے وارث بنایا اور

سلیمان وارث بنے۔

خود آنحضرتؐ اپنے والد گرامی جناب عبد اللہؓ کے وارث ہوئے۔

"حضرت عبد اللہؓ نے ۵ اونٹ، اور ایک ریوڑ بکریوں کا چھوڑا۔ رسول اللہ

ان کے وارث ہوئے"۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۱ صـ۵۶)

آپؐ کے والد نے ایک تلوار ترکہ میں چھوڑی، جس کا نام "ماثور" تھا۔ آپ نے

اس کو باپ کی وراثت میں پایا"۔ (زاد المعاد ج ۱ صـ۳۳)

علامہ جمال الدین محدث لکھتے ہیں:"رسولؐ اللہ نے اپنے والد جناب عبد اللہ

کے ترکہ سے ایک کنیز "ام ایمن"، ۵ اونٹ، اور گلۂ گوسفند (بکریوں کا ریوڑ) میراث

میں پایا"۔ (روضۃ الاحباب بر حاشیہ مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۱۹)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں"آنحضرتؐ نے فرمایا۔ لوگو! گواہ

رہنا۔ میں نے "زید بن حارثہ" کو بیٹا بنایا ہے، وہ میرا وارث ہوگا، اور میں

اس کا وارث ہوں گا"۔ (مدارج النبوۃ ج ۲ صـ۶۲۹)

ڈھٹائی، سینہ زوری، ضد اور ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے۔ کہ منہ بولا

بیٹا تو وارث ہو، اور حقیقی بیٹی، وراثت سے محروم کر دی جائے۔ بقول شخصے

کسے را نہ زیبد کہ گیرد فدک
نبیؐ را بہ اشک آورد از محن

شمس العلماء مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں۔

"عبد اللہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس

کا نام "ام ایمن" تھا۔ یہ سب چیزیں رسولؐ اللہ کو ترکہ میں ملیں"۔ (سیرۃ النبی

ج ۱ صـ۱۲۲)

آئیں !! یہ کیا ہوا۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ "فدک" رسول اللہ کا تھا، کیونکہ بغیر جنگ و جدال کے ہاتھ آیا تھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی "وَآتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّہٗ" اے رسول اللہ! قرابتداروں کو حق دے دو، تو رسول نے جناب فاطمہ کو بلا کر، فدک ان کو دے دیا۔ (تفسیر درمنشور۔ ج ۴ ص ۱۷۷)

جناب فاطمۃ الزہرا نے بارگاہ خلافت میں نالش کی کہ رسول اللہ مجھے فدک دے گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے گواہ طلب کیا تو حضرت علیؑ اور حضرت ام ایمن نے گواہی دی (صواعق محرقہ ص ۲۲)

اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا۔ گواہی کے لئے دو مرد ہوں یا ایک مرد، اور دو عورتیں۔ یہ سن کر جناب سیدہ چلی آئیں (فتوح البلدان)

اس حدیث کی کمزوری اس سے ثابت ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے خود، رسول اللہ سے یہ حدیث سنی تو طول عمل کی کیا ضرورت تھی؟ کیوں گواہ طلب کئے؟ حدیث رسول کے مقابلہ میں، کسی دعوے، اور گواہ کی وقعت نہیں۔ فرض کیجئے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ حضرت عباسؓ گواہ ہوتے، اور حضرت ابوبکر جناب سیدہ کو فدک دے دیتے، تو حدیث رسول کا کیا رہ جاتا۔ معلوم ہوتا ہے، پانی مر رہا ہے۔

پانی وہیں مرے گا جہاں پر نشیب ہو

مولانا نذیر احمد مرحوم فرماتے ہیں:۔

"جو شخص سب سے زیادہ، پیغمبر صاحب کی وفات سے متاذی ہوا وہ فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال فرما چکی تھیں، اب ماں اور

پیغمبر تھے، اور باپ بھی کیسے باپ۔ دین و دنیا کے باپ، دونوں کی جگہ
ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا، اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے
رہنا، اور نمک بر جراحت، یہ کہ ایدزی باغ فدک کا دعویٰ کرنا، اور
کا بار جانا۔ کسی دوسرے کو ایسے پیہم صدمات پہنچتے تو، وہ زہر کھا کر مر
مگر ان کے صبر و ضبط، انھیں کے ساتھ تھے۔ پھر بھی انھیں رنجوں میں
گھل گھل کر ۶ مہینے کے اندر انتقال فرما گئیں، اور جتنے دن زندہ رہیں
ان لوگوں سے، جنھوں نے ان کو رنج دئے تھے، نہ بولیں، اور نہ بات
کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے جنازہ پر آنے کی بھی مناہی کر دی اور
شب کے وقت مدفون ہوئیں۔

مانا کہ ان کا غصہ کسی قدر بیجا بھی ہوتا، تاہم ان کے باپ کے حقوق
کیا چاہتے تھے۔ فاطمہؑ کے دل عمزدہ کو خوش کرنے کے لئے، علیؑ کو اگر
اہل بھی نہ تھے، برائے نام خلافت دی ہوتی، اور آپ انتظام کیا
خیر خلافت تو کون دئے دیتا تھا، مگر باغ فدک کو دیدینے میں ایسی
کون سی قباحت تھی۔ غایتہ مَا فِی الْبَابِ، حدیث "نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ
لَا نُوْرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ" کے خلاف ہو تو ہو۔ گناہ اگر ہوتا
فاطمہؑ کو ہوتا کہ وہ سیدانی ہو کر صدقہ کھاتیں۔

سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیتؑ بیٹی کو، پیغمبر صاحبؐ
وفات کے بعد ہی سے ایسے نا ملائم واقعات پیش آئے کہ وہ ادب اور
لحاظ جو ہونا چاہئے تھا، اس میں ضعف آگیا، اور رفتہ رفتہ
ہو ا، اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف، جس کی نظیر تاریخ
میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ایسی حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے کہ

تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے۔" (رویائے صادقہ ص ۱۵۳ مطبوعہ پرنٹنگ ورکس دہلی)

مولانا نیاز فتحپوری، مدیر "نگار" لکھنؤ لکھتے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ انسانیت کا تقاضا اتنی بڑی چیز ہے کہ اس کے مقابل میں، ملازمت کے اصول و فرائض تو خیر کیا ہیں، میں شریعت و مذہب کو بھی کوئی چیز نہیں سمجھتا، اگر وہ واقعی اخلاق کے منافی ہے۔ اسی لئے فدک کے جھگڑے میں، حضرات شیعہ سے بالکل متفق ہوں۔

کیسا ترکہ، کہاں کا استحقاق، کہاں کی فقہ۔ دیکھنا یہ تھا کہ سائل کون ہے؟ کیا چیز طلب کر رہا ہے؟ رسولؐ کی بیٹی کی درخواست ہے، جس نے اپنی ساری عمر بھی پیس پیس کر کاٹ دی،" اور باغ فدک حاصل کرنے کی درخواست ہے، جس کی آمدنی بقدر کفایت سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اصول مذہب کو سامنے رکھ کر، اگر وہ واقعی اصول تھے، فاطمہؑ کی التجا ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ کیا انسانیت کا تقاضا یہی تھا؟ اور کیا شریعت پر عمل کرنا، کسی کے لئے قابل فخر ہو سکتا ہے؟ بعض وقت میں سوچتا ہوں کہ کہیں یہ سب کچھ، اس لئے تو نہیں ہوا کہ فاطمہؑ، علیؑ کی بیوی تھیں۔"
(مکتوبات نیاز۔ حصہ دوم ص ۱۲۸ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

علامہ ابن الحدید نے، اپنے استاد "علی بن فارقی" سے پوچھا۔ کیا فاطمہؑ اپنے دعوے میں سچی تھیں؟ انھوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر پوچھا، کیوں نہ ابوبکر نے ان کا حق دے دیا؟ وہ باوجود انتہائی متین اور سنجیدہ ہونے کے ہنسے، اور کہا۔ اگر آج ابوبکر، ان کو فدک دے دیتے تو کل علیؑ کے لئے خلافت کا دعوے کرتیں، اور تخت خلافت سے ہٹا دیتیں، کیونکہ فاطمہؑ کی سچائی پر ابوبکر کی مہر ہو جاتی، پھر کوئی عذر نہ رہ جاتا۔ (شرح نہج البلاغہ ج ۴ ص ۱۰۵)

دربار خلافت سے جناب سیدہ کے چلے جانے کے بعد، حضرت ابوبکر نے

اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی، اور حضرت فاطمۃ الزہرا کے حق میں پروانہ لکھ دیا۔ اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے، اور پوچھا، یہ کیا ہے؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا، میں نے فاطمہؑ کو ان کے باپ کی میراث دے دی۔ یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ آگ بگولہ ہوگئے، اور کڑک کر بولے، پھر مسلمانوں پر کہاں سے خرچ کرو گے؟ عرب بغاوت کر رہے ہیں، اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟ یہ کہہ کر شاہی فرمان چاک کر ڈالا۔ (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۶۴ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۴۱ باب الخمس)

علامہ مسعودی کا بیان ہے۔ "حضرت ابو بکرؓ کو، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ میں شرکت کی اجازت نہ ملی۔ کیونکہ حضرت فاطمہؑ نے، جب سے فدک وغیرہ کے متعلق، اپنے والد رسول اللہؐ کی وراثت و ترکہ کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی زمانے سے حضرت ابو بکرؓ سے قطع تعلق کر چکی تھیں۔ ان میں باہم بحث بھی ہوئی تھی، تا آنکہ وہ انتقال کر گئیں۔" (التنبیہ والاشراف مترجم ص ۱۴۴)

جناب سیدہؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ، میرے جنازہ پر نماز نہ پڑھیں، اور نہ مٹی دیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے، ان حضرات کو خبر نہ کی، اور چپکے سے رات ہی میں دفن کر دیا۔ (طبری ج ۳ ص ۲۳۰)

جناب فاطمہؑ کے لئے حدیث رسولؐ ہے:۔

"فاطمہؑ کی خوشی، میری خوشی، اور فاطمہؑ کی ناخوشی، میری ناخوشی ہے۔ جو فاطمہؑ کو دوست رکھے گا، وہ میرا دوست ہے۔ اور فاطمہؑ کو غضبناک کرنے والا میرا دشمن ہے۔"

یہ حدیث جناب سیدہؑ نے، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سنائی تو دونوں نے اقرار کیا۔ پھر معصومہؑ نے فرمایا، میں آنحضرتؐ سے تم دونوں کی شکایت کروں گی اور بعد نماز، تمہارے لئے بد دعا کیا کروں گی۔ یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا۔

فاطمہؑ! میں خدا اور رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ (کتاب الامامہ والسیاست صفحہ ۲۳)

مولانا نذیر احمد مرحوم لکھتے ہیں۔

"ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا، اور یہ لوگ میرے جنازہ پر نہ آنے پائیں۔ کس بلا کا غصہ ہے، خدا کی پناہ۔ (امہات الامۃ صفحہ ۹۹)

افسوس صد افسوس!! خلفاء نے اولاد فاطمہؑ اور ان کے خاندان کے ساتھ معمولی مراعات کا برتاؤ بھی نہ کیا۔ اور ہمیشہ حقوق سے محروم رکھا۔

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں۔

"ابوبکر نے، اپنے زمان خلافت میں ایک ہی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر و عثمان نے بھی، اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی۔" (المامون صفحہ ۲۱۵ مطبع مفید عام۔ آگرہ)

تواریخ میں مذکور ہے کہ "حضرت عثمان نے، اپنے دور خلافت میں، مروان ابن حکم کو، فدک، بطور جاگیر دیدیا۔ کیونکہ وہ ان کا چچازاد بھائی، اور ان کی بیٹی "ام ابان" کا شوہر تھا۔" (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۸۴ عقد فرید ج ۲ صفحہ ۲۶۱ ابوالفدا صفحہ ۱۶۸)

غضب خدا کا۔ اندھیر ہے کہ رسولؐ کی بیٹی، اپنے حق سے محروم رہے، اور ایرا غیرا نتھو خیرا کو گلچھرے اڑانے کا موقع دیا جائے۔ وہی مثل ہے "اندھا بانٹے ریوڑی، اپنے کو دے"۔

شاید اسی سے متاثر ہو کر غالب نے، مرثیہ کے رنگ میں غزل کا مطلع کہا تھا۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

۶۳:۔ آپؐ کا ۶ آدمیوں سے خوش ہونا

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ آنحضرتؐ رحلت فرما گئے۔ آپؐ ان چ
آدمیوں سے خوش تھے۔ ۱۔ عثمان۔ ۲۔ علیؑ۔ ۳۔ طلحہ۔ ۴۔ زبیر۔ ۵۔ عبدالر
بن عوف۔ ۶۔ سعد بن ابی وقاص۔ (بابٌ فی الجنائز۔ حصہ اول ص۲۲۱)
اس فہرست میں، حضرت ابوبکرؓ اور خود حضرت عمر کا نام نہیں۔ حیرت
بالائے حیرت ہے مسلمانوں کے خلیفۂ اول وثانی، اور رسولؐ کی سندِ رضا
سے محروم !!

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمری بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شری بینم

۶۴:۔ کسی کے وسیلہ سے طلب بارش

حضرت عمر نے فرمایا۔ جب لوگ قحط سے دوچار ہوتے تو حضرت عبا
بن عبدالمطلبؓ کے ذریعہ۔ تجھ سے بارش طلب کرتے۔
پہلے لوگ دعا کرتے تھے۔ بارالہا! ہم اپنے نبیؐ کے وسیلہ سے طلب
بارش کرتے ہیں، ہم کو سیراب فرما۔ اب دعا کرتے ہیں۔ بارالہا! ہم اپنے نبی
چچا کے ذریعہ سے پانی مانگتے ہیں، ہم کو سیراب کر، تو بارش ہوتی، اور وہ سیر
کئے جاتے۔ (ابواب الاستسقاء۔ حصہ اول ص۱۸۴)
کسی نے ذریعہ تحریر شیخ عبدالعزیز صدیقی محدث دہلوی

استفتاء کیا گیا کہ اولیاء اللہ سے مدد طلب کرنا اور ان کے واسطے سے دعا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ آپ نے فتویٰ دیا۔

"جس طرح لوگ، امیر، بادشاہ، نوکر اور خدمت گار سے اپنے کاموں میں مدد لیتے ہیں، اسی طرح عوام الناس بھی اولیاء اللہ سے مدد مانگتے ہیں کہ آپ ہمارے واسطے خدا سے سفارش کیجئے۔ (یہ کام ہمارا ہو جائے) شرع میں، زندہ اور مردہ سے اس قسم کی دعا مانگنا جائز ہے" (فتاوے عزیزی صفحہ ۳۵۰)

۶۵:۔ آپؐ کے بعد صحابہ کی مالداری

"خبابؓ" نے کہا۔ ہمارے پہلے اصحاب، اس طرح گذر گئے کہ دنیا نے ان کو کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ (اس لئے کہ وہ لوگ بہت مفلس تھے) ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ نہیں، سوائے اس کے کہ زمین میں گاڑ دیں۔ خبابؓ کہا کرتے کہ اگر آنحضرتؐ نے موت مانگنے کی ممانعت نہ فرمائی ہوتی تو میں اللہ سے موت کی دعا کرتا۔ (کہ یا اللہ مجھے موت دے) (کتاب المرضیٰ حصہ دوم صفحہ ۳۵۷)

تشریح:۔ حضرت عمر فرمایا کرتے۔ ہماری غربت کی یہ حالت تھی کہ ہم موٹے گاڑھے کا کرتہ پہنے، اور اونٹ چرایا کرتے۔ آج یہ حالت ہے کہ ہمارے، اور خدا کے درمیان کوئی نہیں (یعنی) راست دولت کے دروازے کھلے ہیں) (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۷ مصنف شیخ ولی اللہ صدیقی محدث دہلوی)

ایک شخص کے دامن میں حضرت عمر کا کوڑا لگ گیا۔ آپ نے معذرت کے طور پر اس کو چھ سو درہم دیا۔ (ازالۃ الخفاء صفحہ ۱۹۹)

حجاز میں حضرت عمر کا ایک باغ تھا، جس کی سالانہ آمدنی ۲ لاکھ درہم تھی

(طبری ج ۲ صـ ۸۶)

حضرت عثمان کے عہد خلافت میں، دولت کی بہتات اتنی تھی کہ دارالخلافہ مدینہ میں، ایک ایک گھوڑے کی قیمت، ایک ایک لاکھ درہم اور ایک ایک باغ کی قیمت چار چار لاکھ درہم تک، پہنچ گئی تھی۔ (تاریخ خمیس)

حضرت ابوبکر کے داماد "طلحہ" کی روزانہ آمدنی، ایک ہزار درہم تھی۔ ۱۰ لاکھ دینار، اور ۲۰ لاکھ درہم، چھوڑ کر مرے (تاریخ خمیس ج ۲ صـ ۳۱۱)

آپ کے دوسرے داماد، "زبیر بن عوّام" کی جائداد پانچ کروڑ ۲ لاکھ درہم کی تھی، حالانکہ اس سے پہلے ان کی بیوی "اسماء بنت ابی بکر" گھوڑے کے لئے، جنگل سے چارہ، اپنے سر پہ لاتی تھیں (بخاری پ ۱۲۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم صـ ۱۹۵)

"زبیر" نے "غابہ" میں ایک زمین، ایک لاکھ ستر ہزار درہم کی خریدی، وقت یہ زمین، گیارہ مکان مدینہ میں، ۲ مکان بصرہ میں، ایک مکان کوفہ میں، ایک مکان مصر میں چھوڑا۔ (بخاری پ ۱۲۔ صـ ۸۹)

"عبدالرحمن بن عوف"، نے ایک بیوی کو طلاق دے کر صلح کی تو ۸۳ ہزار درہم دیا۔ ایک ہزار اونٹ، ایک ہزار گھوڑے اور تین ہزار بکریاں، ترکہ میں (استیعاب ج ۲ صـ ۴۰۳)

مختصر یہ کہ دولت ہر صحابی کے قدم چومتی تھی، اور کنیز بن گئی تھی کہ جیسا استعمال کر لیا۔

بعون اللہ تو قلم اینجا آمدہ سر بنہاد و سفر بہ پایاں رسید۔

ختم شد

(دنشو و دیالیہ پریس الہ آباد)